خلافتِ راشدہ

تالیف

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

۱۸۹۹ء — ۱۹۷۴ء

تدوین واضافہ

محمد میاں صدیقی

زمزم پبلشرز

خلافتِ راشدہ

تالیف

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

۱۸۹۹ء — ۱۹۷۴ء

تدوین واضافہ

محمد میاں صدیقی

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی

کتاب کا نام ــــ خلافتِ راشدہ

تاریخ اشاعت ــــ مئی ۲۰۰۹ء

باہتمام ــــ احباب زمزم پبلشرز

سرورق ــــ احباب زمزم پبلشرز

مطبع ــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374 - 021-2725673

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- دار الھدی اردو بازار کراچی ۔فون: 2726509
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ سرکی روڈ
- مکتبہ علمیہ، علوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

- **Madrassah Arabia Islamia**
  1 Azaad Avenue P.O Box 9786-1750
  Azaadville South Africa
  Tel : 00(27)114132786
- **Azhar Academy Ltd.**
  54-68 Little Ilford Lane
  Manor Park London E12 5QA
  Phone: 020-8911-9797
- **ISLAMIC BOOK CENTRE**
  119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
  U.S.A
  Tel/Fax : 01204-389080

فہرست عنوانات

عرضِ ناشر

محدث کبیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ کی شخصیت سے کون ناواقف ہوگا، مولانا کی عظیم کتاب سیرت المصطفیٰ سیرت کے موضوع پر وہ منفرد کتاب ہے جو علمی حلقہ میں انتہائی مقبول ہے۔ مولانا کی زیرِ نظر کتاب مسئلہ خلافت پر انتہائی جامع اور مدلل کتاب ہے، مسئلہ کی نزاکت اور تقدس کو جس خوبصورتی سے مولانا نے بیان فرمایا ہے اس سے قاری کے لئے سیر حاصل تحقیق میسر آجاتی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ اس سے قبل بار بار چھپ چکی ہے مگر زیرِ نظر کتاب میں مولانا محمد ادریس صاحب کے خلف الرشید مولانا محمد میاں صاحب صدیقی نے مزید تحقیق، حوالہ جات اور بالخصوص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں بعض خامہ فرسائیوں کی حقیقت واضح فرمادی ہے۔

مولانا صدیقی نے جو اضافے کئے ہیں، ان میں کوئی اضافہ حوالہ کے بغیر نہیں۔ اس طرح زیرِ نظر کتاب مختصر ہونے کے باوجود اہل علم کے لئے ایک مآخذ و مصدر کی حیثیت اختیار کر گئی جو اس موضوع پر مزید علمی کام کرنا چاہیں۔

ہمیں رب کریم کے فضل و کرم سے امید ہے کہ کتاب کے موجودہ ایڈیشن کو مزید پذیرائی حاصل ہوگی۔ قارئین سے درخواست ہے کہ مصنف، مدوّن اور ناشر تینوں کے لئے دعاء فرمائیں۔ آپ کی دعاؤں کا محتاج۔

(محمد رفیق ولد عبدالمجید۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ ھج بمطابق ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے پیدائش اگرچہ بھوپال ہے لیکن وطنِ مالوف ضلع میں مظفر نگر کا ایک قصبہ کاندھلہ ہے۔ تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے ہوا۔ نو برس کی عمر میں آپ نے قرآن کریم مکمل کرلیا۔

قرآن کریم کی تکمیل کے بعد والد محترم، حافظ محمد اسمٰعیل آپ کو لے کر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس لائے اور مولانا کی درسگاہ، مدرسہ اشرفیہ میں آپ کو داخل کیا۔ مدرسہ اشرفیہ میں صرف ابتدائی تعلیم کا انتظام تھا، مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو لے کر مظاہر علوم سہارنپور آئے اور وہاں سے آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ مظاہر علوم سے دورۂ حدیث کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، اس داخلہ کا مقصد یہ تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے علم حدیث میں براہ راست استفادہ کرسکیں۔

ان دو جلیل القدر حضرات کے علاوہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مفتی عزیز الرحمٰن سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۱ء سے تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مفتی کفایت اللہ مرحوم کی دعوت پر مدرسہ امینیہ دہلی میں تدریسی فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔ اگلے ہی سال ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تدریس کی دعوت مل گئی جو آپ کے لئے بہت بڑا علمی

اعزاز تھا۔ چنانچہ سات سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند کو چھوڑ کر حیدرآباد دکن تشریف لے گئے اور کم وبیش دس سال وہاں مختلف علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف رہے۔ ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر آپ دیوبند آ گئے۔ وہاں آپ نے شیخ التفسیر کا منصب سنبھالا۔ اس وقت سے قیام پاکستان تک دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہے۔ دسمبر ۱۹۴۹ء میں پاکستان تشریف لائے تو یہاں آپ کو جامعہ عباسیہ (موجودہ جامعہ اسلامیہ) بہاول پور کا شیخ الجامعہ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ نے جامعہ عباسیہ کو خیر باد کہا اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے وابستہ ہو گئے اور یہ وابستگی تادم آخر قائم رہی۔ ۸ رجب ۱۳۹۴ھ/۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو صبح صادق کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ یوں آپ نے اپنی عمر کے ۷۴ سال میں سے ۵۳ سال قرآن وحدیث کی تدریس میں گزارے۔ اس اثنا میں آپ نے جو نامور شاگرد تیار کیے وہ بھی معرفتِ قرآن وحدیث میں سند کا درجہ رکھنے کے ساتھ بلند پایہ تصنیفات و تالیفات کے حامل ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

مولانا محمد یوسف بنوری، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، قاضی زین العابدین میرٹھی، قاضی سجاد حسین، مولانا عبیداللہ انور، مولانا محمد اسعد مدنی، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا محمد میاں صدیقی، مولانا مجاہد الحسینی، پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی، مولانا حسن جان آصف، ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ڈاکٹر بریگیڈیئر مولانا عبدالرحمٰن اشرفی، مولانا فیوض الرحمٰن، مولانا حکیم انیس احمد صدیقی، ڈاکٹر صدیق شبلی، ڈاکٹر طفیل ہاشمی وغیرھم۔

تدریسی مشاغل کے علاوہ تصنیف و تالیف سے بھی آپ کو گہرا لگاؤ تھا، تفسیر، حدیث، سیرۃ، علم کلام اور عربی زبان و ادب میں ستر سے زائد تصانیف علمی ورثہ کے طور پر چھوڑیں جن میں سے اکثر طبع ہو چکی ہیں۔ آپ نے عربی اور اردو دونوں زبانوں کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لِلّٰہ رب العٰلمین o والعاقبۃ للمتقین o والصلوٰۃ والسلام علٰی سید الاولین والاٰخرین خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذرّیاتہٖ اجمعین لاسیما خلفاء ہ الراشدین وعلٰی من تبعھم باحسان الٰی یوم الدین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین.

امّا بعد۔ علماء دین نے خلفاء راشدین کے فضائل ومناقب میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ جزاھم اللّٰہ تعالیٰ عن الاسلام والمُسلمین خیرا. منجملہ ان کے حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی قدس سرّہ[1] کی ازالۃ الخفاء ہے، جواپنے موضوع میں بے مثال اور لاثانی ہے۔ خلافتِ راشدہ کی حقیقت اور تفضیل شیخین کا دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے اثبات جس عجیب وغریب انداز سے فرمایا ہے، وہ محیّر العقول ہے، اور عقل کیوں نہ حیران ہو، کتاب کیا ہے؟، ایک بحرِ بے کراں ہے، جس میں اُس صاف وشاف آبِ زلال کو جمع کیا گیا ہے کہ جو سحائب الہام نے مصنف علیہ الرحمۃ کے قلب صافی پر برسایا ہے، اور پھر اس الہامی درایت کو روایات نبویہ سے مدلل اور مبرہن کیا ہے، جب قلم درایت پر چلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ اور بایزید کا ہے، اور جب قلم روایت پر چلتا ہے تو روایات کا ایک عظیم دریا نظر آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] متوفی: ۱۱۷۶ھ۔

یہ قلم عسقلانی اور قسطلانی کا ہے۔ ایسی کتاب کہ جو دریائے روایت اور دریائے درایت کا مجموعہ ہو اور مجمع البحرین کا مصداق ہو، اس پر قبضہ پانا بہت دشوار ہے، ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پر پہنچتے ہیں تو پہلا کنارہ نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس ناچیز اور ہیچ مدان نے اس کتاب کا غور سے مطالعہ کیا، اور یہ ارادہ کیا کہ اس کتاب کے مقاصدِ کلیہ اور مباحثِ مہمہ کا خلاصہ کر دیا جائے، اور روایات میں سے صرف ضروری حِصّہ پر اکتفا کی جائے تا کہ اہلِ فہم پر اصل مسئلہ واضح ہو جائے اور خلافت راشدہ کی حقیقت اور اس کے مقام اور مرتبہ سے آگاہ ہو جائیں اور بقدرِ ضرورت کتاب و سنت سے اس کے شواہد پر مطلع ہو جائیں، اصل مقصد واضح ہو جانے کے بعد اگر تفصیل درکار ہو تو اصل کتاب کی مراجعت کریں۔ اور جو لوگ بارانِ عظیم (یعنی اصل ازالۃ الخفاء) تک نہ پہنچ سکیں تو وہ اس شبنم یعنی اس خلاصہ پر اکتفا کریں۔ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ۔

اور جو لوگ اس حوض تک نہ پہنچ سکیں، اِن کے لئے اس حوض میں سے صراحی اور مشکیزہ ہی پیش کر دیا جائے کچھ تو پیاس بجھے گی، اور علاوہ ازیں متعدد مباحث میں دیگر اکابر امت کے کلام معرفت التیام سے اضافات اور اقتباسات کا اضافہ کیا تا کہ بحث مکمل ہو جائے اور مسئلہ میں تشنگی باقی نہ رہے۔ مثلاً امام ربانی مجدد الف[1] ثانی کے مکتوبات سے اور تحفۂ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب[2] دہلوی سے اور منہاج السنۃ مصنفہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ[3] سے مختلف مقامات میں لطیف اضافے کئے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر سراپا تقصیر کو قبول فرمائے، اور اس نابکار و ناہنجار کا خلفاء راشدین کے غلاموں اور

[1] شیخ احمد سرہندی۔ م: ۱۰۳۴ھ۔

[2] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ م: ۱۲۳۸ھ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (م: ۱۱۷۶ھ) کے بیٹے۔

[3] ابن تیمیہ۔ م: ۷۲۸ھ۔

کفش برداروں میں حشر فرمائے، آمین یارب العالمین۔

کسی نااہل کی کیا مجال کہ وہ شاہی محل کا رُخ کر سکے۔ اس کی انتہائی تمنا یہ ہوتی ہے کہ مقربین سلطانی کی کفش برادری کا شرف مجھ کو حاصل ہو جائے اور ان کی جوتیوں کے طفیل مجھ کو کوئی دربان اندر جانے سے نہ روکے۔ کفش برادر کی حقیقت ہی یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں سوائے کسی مقبول اور برگزیدہ کی جوتیوں کے اور کچھ بھی نہ ہو۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

معنیٔ خلافت [1]

خلافت کے معنی لغت میں نیابت اور جانشینی کے ہیں کہ ایک شخص کو کسی کا قائم مقام بنایا جائے جو نیابتاً اس کا کام انجام دیتا ہے، اور اصطلاح شریعت میں خلافت اس اسلامی سلطنت اور بادشاہت کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ بطریق نیابت آنحضرت ﷺ کی شریعت نبویہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیۃ کو قائم اور مستحکم کیا جائے، اور جو شخص نائب نبی ہونے کی حیثیت سے دین کے قائم رکھنے کا انتظام کرے وہ خلیفہ ہے اور نائب ہونے کی حیثیت کی قید اور شرط اس لئے لگائی گئی تاکہ لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انبیاء خارج نہ ہو جائیں اس لئے کہ انبیاء کرام حق تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں، انبیاء کرام اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کو قائم کرتے ہیں۔

[1] معنی خلافت باعتبار لغت جانشینی است کہ یکے بجائے دیگرے بنشیند و بہ نیابت او کار کند و در شرع مراد از وے پادشاہ است برائے تصدی اقامت دین محمدی علی صاحبہ الصلوۃ والتسلیمات بہ نیابت آنحضرت ﷺ (ازالۃ الخفاء۔ ۲۵۶/۱)۔

خلافتِ عامّہ اور خلافتِ خاصّہ

اہل سنت کے نزدیک خلافت کے معنی سلطنت اور مسلمانوں کی فرمانروائی کے ہیں۔ پس اگر وہ خلافت نمونۂ نبوت ہو تو خلافتِ خاصہ ہے اور اس کو خلافتِ راشدہ بھی کہتے ہیں کہ حکومت اصولی طور پر اسلام کی پابند ہے مگر عملی طور پر قانون شریعت کے اتباع میں مقتصر اور کوتاہ ہے۔

بالفاظِ دیگر

خلافتِ راشدہ اس حکومت اور ریاست کو کہتے ہیں کہ جس کا تمام ملکی اور ملّی نظام منہاجِ نبوت پر ہو، اور جس میں آنحضرت ﷺ کی نیابت کے طور پر وہ امور انجام دیئے جائیں جنہیں آنحضرت ﷺ بحیثیت پیغمبری انجام دیتے رہے۔ مثلاً اقامتِ دین، اقامتِ جہاد بدشمنانِ دین، اقامتِ حدودِ شرعیہ، اقامتِ ارکان اسلام، احیاء علوم دینیہ مثلاً قضاء وافتاء وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ کہ اس حکومت کا نظام ایسا ہو کہ وہ بادشاہت اور سلطنت معصیت نہ ہو یعنی حکومت احکام شریعت کے اجراء میں اپنی ذمہ داری کو پورا کردے اور عنداللہ عاصی نہ ٹھہرے، اور راشدہ کے معنی یہ ہیں کہ توفیقِ ربّانی اور تائیدِ آسمانی اس کو کشاں کشاں رشد اور ہدایت اور حق اور صواب ہی کی طرف لے جائے اور باطل اور جَور کی طرف لے جانے سے اس کو روک دے۔ یہ خلافت راشدہ ہے، اور اس کے بالمقابل خلافتِ جابرہ ہے جس میں بہت سے خلاف شرع امور عمل میں آئے ہوں۔ نیز اگر کوئی شخص فاطمی بھی ہو بلکہ بالفرض وہ معصوم بھی ہو مگر اس کا حکم نافذ اور جاری نہ ہو تو اس کو خلیفہ نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ خلافت کے لئے حکومت اور فرماں روائی ضروری اور لازم ہے، اور اسی طرح کافر بادشاہ کو بھی خلیفہ

نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ اس کو اقامت اور احیاءِ علوم شرعیہ اور اقامتِ حدودِ شرعیہ سے کوئی غرض اور سروکار نہیں۔

خلافتِ راشدہ کی شرائط اور لوازم

خلافت راشدہ کی بہت سی شرطیں ہیں۔ مثلاً خلیفہ کا شنوا اور بینا ہونا، آزاد ہونا، صاحبِ علم وعدالت ہونا، شجیع ہونا، صاحب الرائے ہونا، جنگ اور صلح کے موقعوں پر نمایاں کام کرسکتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ وہ شروط ہیں جو بداہت عقل معلوم ہیں کیونکہ مقاصدِ خلافت بغیر ان امور کے متحقق نہیں ہو سکتے لیکن خلیفۂ راشد میں اس عام شروط خلافت کے علاوہ ایک مزید شرط یہ ہے کہ اس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ملکات اور افعال میں خاص تشبہ حاصل ہو، یعنی وہ شخص آنحضرت ﷺ کی صفات کا نمونہ اور ظل ہو، اور تشبہ سے ان صفات کے ساتھ تشبہ مراد ہے کہ جو اوصاف نبی و رسول کو نبوت و رسالت کی حیثیت سے حاصل ہوں، اور جن اوصاف کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں ان میں تشبہ مراد نہیں مثلاً آنحضرت ﷺ کا غایت درجہ حسین وجمیل ہونا یا ہاشمی ہونا، ان صفات کو نبوت و رسالت سے کوئی تعلق نہیں، انبیاء کرام جمال میں مختلف رہے ہیں، اور ہزاروں نبی، بنی اسرائیل میں ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ہاشمیت نبوت کے لئے لازم اور ضروری نہیں بخلاف اقامت جہاد، اقامت ارکان اسلام، احیاء علوم دینیہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ صفات آنحضرت ﷺ کو بلحاظ وحی اور نبوت حاصل تھے، اکثر انبیاء کرام اگر چہ مامور بالجہاد نہ تھے لیکن جن حضرات نے جہاد کیا وہ وحی الٰہی کی بنا پر کیا۔ پس اسی قسم کے صفات میں خلیفۂ خاص کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ تشبہ کامل حاصل ہونا ضروری ہے، اور تشبہ کامل کی قید اس لئے لگائی کہ فقط بعض صفات میں تشبہ کا حاصل ہونا کافی نہیں ورنہ ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ تشبہ ضرور حاصل ہوتا ہے مثلاً نماز

پنج گانہ اور تلاوتِ قرآن وغیرہ وغیرہ۔ چوں کہ کلام خلافتِ خاصہ میں ہے، اس لئے تشبہ کامل کی قید لگانا ضروری ہوا، اور تشبہ کامل اس کو حاصل ہوسکتا ہے جو امت کے طبقۂ علیا میں سے ہو نہ کہ طبقۂ وسطیٰ اور ادنیٰ ہے۔ [۱]

بعثتِ رُسل کی حقیقت

جب یہ معلوم ہوگیا کہ خلافت خاصہ، نمونۂ نبوت اور تشبہ بہ نبوت کا نام ہے تو ضروری ہوا کہ بعثتِ رسل کی حقیقت بتلائی جائے، اور ان خصال اور صفات کو بیان کیا جائے کہ جو نبی کو بہ حیثیت نبوت کے حاصل ہوتے ہیں تا کہ خلافت خاصہ کی بیان کردہ حقیقت خوب واضح ہوسکے۔

بعثت (رسول کے بھیجنے) کے یہ معنی نہیں کہ کسی کو پیغمبر بنا کر آسمان سے زمین میں بھیج دیا جائے یا مشرق سے مغرب میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں کسی شخص کو نبی بنا کر بھیج دیا جائے بلکہ بعثتِ رسل کے معنی یہ ہیں کہ حق جل شانہٗ کا ارادۂ لطیف ورحمت اس امر کے متعلق ہو کہ ارسالِ رسول اور بعثت نبی کے واسطے سے بندگانِ خدا کو دینِ خداوندی اور شریعتِ الٰہیہ سے آگاہ کیا جائے تا کہ ان کی اصلاح اور فلاح کا باعث ہو، اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ بننے کے قابل ہر فردِ بشر نہیں ہوسکتا اور ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ نبوت ورسالت اور سفارتِ خداوندی اور خلافتِ ایزدی کے منصبِ جلیل پر فائز ہوسکے۔ اس لئے حکمت اور مصلحت اس کو مقتضی ہوئی کہ افرادِ بشر میں سے بعثت کے لئے ایک ایسے فرد کو معین کیا جائے کہ جس کا مبارک اور بزرگ وجود زمین پر ایسا ہو جیسا کہ آسمانوں میں جبریل امین کا وجود ہے، اس کا نفسِ قدسیہ ملاءِ اعلیٰ کے غایت درجہ مشابہ ہو۔

۱۔ ازالۃ الخفاء۔ ۱/۲۵۸۔

لوازمِ نبوت

نبوت کے لوازم بلکہ اجزاء میں سے یہ امر ہے کہ نبی کا نفسِ ناطقہ اپنی دونوں قوتوں یعنی قوتِ عاقلہ اور قوتِ عاملہ میں تمام عالَم سے بلند اور برتر ہو۔

حق جل شانہٗ جس کو منصب نبوت پر فائز فرماتے ہیں اس کو محض اپنے فضل اور رحمت سے، بلا کسی سعی اور بلا کسی جدوجُہد کے اس کو ایک ایسی خاص قوتِ عاقلہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس کا نفسِ ناطقہ عالم غیب کی وحی اور الہام کو سُن سکے اور سمجھ سکے، اور ملائکہ اور جنت اور جہنم اور عالم ملکوت کی چیزوں کا مشاہدہ کر سکے، اور آئندہ کے جو واقعات صور مثالیہ کے ذریعہ اس کو خواب میں دکھلائے جائیں ان کو کماحقہٗ سمجھ سکے۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ اس کو محض اپنی رحمت اور عنایت سے بلا کسی مجاہدہ اور ریاضت کے ایسی بے مثال قوتِ عاملہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس کا نفسِ ناطقہ تمام اخلاق فاضلہ اور ملکات صالحہ کا معدن اور منبع بن جاتا ہے اور اس کے اعضاء اور جوارح سے افعالِ جمیلہ اور اعمالِ صالحہ کا صدور نہایت سہولت بلکہ لذت اور فرحت کے ساتھ ہونے لگتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے، یہ قوت عاقلہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ سمت صالح (عمدہ خصلتیں) نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔ یہ قوتِ عاملہ کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف بھی اشارہ مفہوم ہوتا ہے کہ قوتِ عاملہ کا درجہ قوتِ عاقلہ سے کم ہے۔ [1]

[1] قرۃ العینین۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ص: ۱۰، نیز: ازالۃ الخفاء۔ ۱/۲ (مقصدِ دوم)۔

خواصِ نبوت کی ایک عجیب مثال [1]

اگر نبوت کے خواص اور لوازم کو سمجھنا چاہتے ہو تو یہ فرض کرو کہ چار شخص ہیں ایک تن میں جمع کر دیئے گئے ہیں، اور اس مجموعہ کا نام نبی اور پیغمبر رکھ دیا گیا ہے۔

شخص اوّل [2]

وہ بادشاہ عادل ہے کہ جس کے نفسِ ناطقہ پر ملاء اعلیٰ سے سیاست ملکیہ کے علوم کلیہ کا القاء ہوتا ہے۔ حکمرانی اور عدل عمرانی کے اصول وفروع کا دم بدم اس کو القاء ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سلطنت کے لئے جس قدر امور ضروری ہیں مثلاً حکمت وشجاعت، اور سخاوت اور معدلت یہ اس بادشاہ سے فطری طور پر ظہور میں آتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ نظام سلطنت غایت درجہ منظّم اور مرتب ہے، اور سارے ملک کی کثرت مبدل بوحدت ہو چکی ہے جیسا کہ: لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ. [3] (اگر آپ ﷺ دنیا بھر کا مال بھی خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان کے دلوں میں اتفاق پیدا کر دیا)۔

اور ارشاد باری:

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا. [4] (سو تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے)۔

---

[1] قرۃ العینین۔ ص: ۴۱، ازالۃ الخفاء۔ ۱/۲۔

[2] قرۃ العینین۔ ص: ۱۷، ازالۃ الخفاء۔ ۱/۲۔

[3] القرآن: ۸ (انفال) ۶۳۔

[4] القرآن: ۳ (آل عمران) ۱۰۳۔

اس طرف مشیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اپنی رحمت سے تمام مسلمانوں کو ایسا ایک دل بنا دیا کہ ساری دشمنیاں مبدل بہ محبت واخوت ہو گئیں کہ اگر روئے زمین کے خزائن بھی خرچ کئے جاتے تو یہ الفت نہ پیدا ہوتی، ان آیات میں اسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا شخص

وہ حکیم (فاضل) کامل ہے کہ جس کے قلب سے اس کی زبان پر علم وحکمت کے چشمے جاری ہیں، اور لوگوں کو حکمت واخلاق کی تعلیم وتلقین میں مصروف ہے، اور اس کا نفس ناطقہ خود بھی ان اخلاق فاضلہ کے ساتھ علیٰ وجہ الکمال تحققاً وتخلقاً موصوف ہے، اور اس کا ظاہر وباطن ان صفات اور ملکات کے رنگ میں رنگا ہوا ہے بقوائے:

کل اناء یترشح بما فیه: (برتن میں جو کچھ ہے وہی چھلکتا ہے)۔

انہیں صفات کی خو، بو، اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یؤتی الحکمةَ مَنْ یَّشاءُ وَمَنْ یُّؤتَ الحکمةَ فقد اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا. [1] (اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی، اسے خیرِ کثیر عطا کی گئی)۔

اور قرآن کریم میں جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے اتیناہ الحکمة بھی اس کے حق میں بیان کیا گیا ہے، ان آیات میں اسی صفتِ حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

تیسرا شخص

وہ عارفِ کامل اور صوفیِ کامل اور مرشد کامل ہے کہ جو تہذیبِ نفس اور تزکیۂ قلب کے طریقوں سے بخوبی واقف ہے، صاحب مقام اور صاحب حال اور صاحب کشف

---

[1] القرآن: ۲ (بقرہ)، ۲۶۹۔

والہام ہے، منبع انوار و برکات اور مصدرِ کرامات ہے، مریدین اور سالکین کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہے، ان کو مجاہدہ اور ریاضت نفس کے طریقے تلقین کررہا ہے، اور اپنے فیض صحبت سے ان کی تربیت کررہا ہے۔ حق جلّ شانہٗ کے اس ارشاد وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۔[1] (اور انہیں حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے)۔ میں اس طرف اشارہ ہے تعلیم الکتاب والحکمت سے تعلیمِ اخلاق مراد ہے، اور تزکیہ سے فیض صحبت کے ذریعہ باطنی تربیت مراد ہے۔

چوتھا شخص

وہ جبریل امین ہے جو سمٰوات میں مطاع اور مکین (صاحب مرتبہ) ہے، اور خداوند ذوالجلال اور اس کے انبیاء ورسل کے درمیان سفیر اور واسطہ ہے اور وحی اور الہام اور علم کا فرشتہ ہے، اور تدبیر الٰہی کا ایک جارحہ ہے اور ملائکہ مدبرات امرًا کے سرخیل ہیں، اور لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝[2] (کسی بات میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کچھ کرتے ہیں جو اُن کو حکم دیا جاتا ہے) ان کی خاص الخاص صفات ہیں، اس جگہ جبریل سے ہماری مراد وہ قوت ملکیہ ہے، جو جارحۂ تدبیر الٰہی اور واسطۂ اخذ علم خداوندی ہو۔ یعنی اس کی اصل جبلت جبریلی ہو کہ جس کے لئے حظیرۃ القدس کی راہیں کشادہ ہوں، اور ملاء اعلیٰ سے جو علوم اس کے عقل اور قلب پر القاء ہوں، ان کو بہ سہولت اخذ اور جذب کرسکے۔

لہٰذا نبی ان چار شخصوں کے مجموعہ کا نام ہے کہ جو ایک تن اور ایک بدن میں جمع کردیئے گئے ہوں، اور یہ تمام صفات سرورِ عالم محمد رسول ﷺ میں علیٰ وجہ الکمال و التمام موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ لطف وکرم اس طرف متوجہ ہوا کہ عالم کی ہدایت

[1] القرآن: ۲ (بقرہ)، ۱۲۹۔

[2] القرآن: ۶۶ (التحریم)، ۶۔

اور اصلاح کے لئے ایک رسولِ اعظم کو مبعوث کیا جائے کہ دنیا پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اور کتاب وحکمت یعنی مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اور حکمت ملکیہ اور منزلیہ کی ان کو تعلیم دے، اور جبریل امین کی طرح اپنے فیض صحبت اور تربیت سے ان قلوب اور نفوس کا ایسا تزکیہ کرے کہ ان کے قلوب آئینہ کی طرح صاف اور مجلّٰی ہوجائیں اور علومِ الٰہیہ اور تجلیاتِ ربانیہ کے عکس کو پورا قبول کرسکیں۔ حق جل شانہٗ کے اس ارشاد: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ [1] (وہی ہے زبردست حکمت والا، جس نے ناخواندہ لوگوں میں، اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھاتا ہے) میں اسی طرف اشارہ ہے۔ [2]

خلافتِ الٰہیہ اور خلافتِ نبوت

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام خداوند ذوالجلال کے خلیفہ ہوتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے، کما قال تعالیٰ:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط [3] (اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں) اور خلیفہ راشد نبی اور رسول کا خلیفہ ہوتا ہے۔

خلیفۂ خداوندی، معاذ اللہ خدا نہیں ہوتا لیکن صفات خداوندی کا ایک ظل اور عکس ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

---

[1] القرآن: ۶۲ (الجمعہ)، ۲۔

[2] قرۃ العینین۔ ص: ۴۲، ازالۃ الخفاء۔ ۱/۲۔

[3] القرآن: ۲ (بقرہ)، ۳۰۔

"خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی تجلی خاص کا مظہر خاص بنایا۔

پس خلیفہ ساخت صاحب سینہ تابود شاھیش را آئینہ

دوم: یہ کہ اس کا وجود باجود دنیا میں ربوبیت تشریعیہ کے اجراء اور تنفیذ کے لئے بمنزلہ جارحۂ الٰہیہ کے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن امور اور علوم اور اصلاحات کو بنی نوع انسانی میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اجراء اور نفاذ کے لئے اس نبی کو واسطۂ تدبیر بناتے ہیں، کہ جو کچھ بھی من جانب اللہ ظہور میں آئے اس کا ظہور اس پیغمبر کے ہاتھ سے ہو۔ گویا کہ یہ نبی بلا تشبیہ و تمثیل تدبیر خداوندی کے ظہور کے لئے بمنزلہ جارحۂ الٰہیہ کے ہوتا ہے، جیسا کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمیٰ. [۱] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی، جس وقت کہ پھینکی۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی) میں اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

فانت حام الملك واللّٰہ ضارب وانت لواء الدین واللّٰہ عاقد

وقال تعالیٰ: ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم. [۲] (جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر رہے ہیں، وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے)۔ یہ ارشاد بھی اسی کا مؤید ہے۔

سوم: یہ کہ اس کی قوت علمیہ اور قوت عملیہ کو ملاء اعلیٰ کی قوت علمیہ اور قوت عملیہ کے ساتھ خاص تشبہ حاصل ہوتا کہ قوت علمیہ کے تشبہ کی وجہ سے ملاء اعلیٰ کے علوم کی تلقی اور اخذ اس کے لئے آسان ہو، اور قوت عملیہ کے تشبہ کی بناء پر اس کو ملائکۂ کرام جیسی عصمت اور طہارت اور نزاہت حاصل ہو سکے۔

---

[۱] القرآن: ۸ (انفال)، ۱۷۔

[۲] القرآن: ۴۸ (الفتح)، ۱۰۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل رستہ از جملہ ہوا، وقال قیل

قال تعالیٰ: وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا۔ [۱] (اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے)۔

یعنی اگر فرشتہ کو ہی نبی بنا کر بھیجتے تو انسان ہی کی شکل میں بھیجتے تاکہ لوگ اس کے حسن و جمال کا تحمل کر سکیں، اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے استفادہ اور استفاضہ کر سکیں۔

چہارم: یہ کہ ملاء اعلیٰ کی تائید، ہر موقعہ اور محل میں اس کی معین اور مدد گار ہو تاکہ ملاء اعلیٰ کی تائید، اس خلیفہ کے ہاتھ پر ظہور خوارق کا سبب بنے، اور خلیفۂ اول کے حق میں وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا۔ [۲] (اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدے میں گر جاؤ)۔ میں اسی تائیدِ ملاء اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے اور خداوند ذوالجلال کے آخری خلیفہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تائید کے لئے جنگ بدر اور حنین میں ملائکہ مسوّمین کا نزول بھی اسی تائید ملاء اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

پنجم: یہ کہ اس کے نفسِ قدسیہ کے انوار و تجلیات کا عکس حاضرین پر پڑتا ہو کہ جس کی بناء پر سلیم الطبع لوگ ظلمت سے نکل کو نور کی طرف آنے لگیں اور اس کے فیض صحبت سے دلوں کی ظلمتیں اور کدورتیں صاف ہونے لگیں اور یخرجھم من الظلمٰت الی النور ط [۳] (تاکہ نکالے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف) کا مشاہدہ آنکھوں سے ہونے لگے۔

---

[۱] القرآن: ۶ (الانعام)، ۹۔

[۲] القرآن: ۲ (بقرہ)، ۳۴۔

[۳] القرآن: ۲ (بقرہ)، ۲۵۷۔

ششم: یہ اس کے قوائے ثلاثہ، یعنی قوت عقلیہ اور قوت شہویہ اور قوت غضبیہ، غایت درجہ معتدل ہوں کہ ایک قوت دوسری قوت کے حقوق مختصہ میں مداخلت نہ کرے جس سے ایک خاص صورت اعتدالیہ پیدا ہو جائے، اور اسی اعتدال کی بناء پر انسان فرشتوں سے بھی بازی لے جاتا ہے، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تسبیح و تحمید ملائکہ کی تسبیح و تحمید سے افضل و اکمل تھی، اس لئے کہ ملائکہ چونکہ امور حسیّہ اور جسمانیہ کھانا پینا وغیرہ وغیرہ کو کماحقہ نہیں جانتے اس لئے فرشتوں کی تسبیح و تحمید فقط امور معنویہ پر ہوتی ہے، اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تسبیح و تحمید امور معنویہ اور حسیّہ دونوں پر تھی اس لئے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی روحانیت اور جسمانیت دونوں کے جامع تھے، اور فرشتے فقط روحانی ہیں۔ اس لئے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تسبیح و تحمید ملائکہ کی تسبیح و تحمید سے اعم اور اتم ہوئی۔

ہفتم: یہ کہ بختِ مسعود اور فتح و نصرت اور غلبۂ اعداء اور محبوبیت قلوب اس کی ہمرکاب ہو: كتب الله لاغلبن انا و رسلی.[1] (اور اللہ نے یہ بات اپنے حکم ازلی میں لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ہی غالب ہوں گے)۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ o اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ o وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ o [2] (اور ہمارے بھیجے ہوئے (پیغمبروں) خاص بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے، کہ بے شک وہی غالب کئے جائیں گے۔ اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے)۔ اور اس قسم کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] القرآن: ۵۸ (مجادلہ) ،۲۱۔

[2] القرآن: ۳۷ (صافات) ،۱۷۳۔

خلافتِ نبوت یا خلافتِ راشدہ

خلافتِ الٰہیہ کے سمجھ لینے کے بعد اب خلافتِ نبوت کو سمجھئے کہ جس طرح خلیفۂ خداوندی خدا نہیں ہوتا اسی طرح خلیفۂ نبی، نبی اور رسول نہیں ہوتا مگر نبی کی صفات کا نمونہ اور ظل اور عکس ہوتا ہے، پس خلیفہ راشد وہ ہے کہ جس کا نفس ناطقہ اپنی دونوں قوّتوں یعنی قوتِ عقلیہ اور قوتِ عملیہ میں نبی کی قوتِ عاقلہ اور قوتِ عاملہ کے مشابہ اور ہم رنگ ہو۔

❷ اور جن اغراض و مقاصد کے لئے نبی کی بعثت ظہور میں آتی ہو ان اغراض و مقاصد کی تکمیل اس خلیفہ کے ہاتھ پر ہو یعنی نبی اور رسول جس کام کی بنیاد رکھ گئے ہوں مگر وہ کام ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ نبی دنیا سے رحلت فرما گئے تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید سے ان کاموں کو اس نبی کے خلیفہ خاص کے ہاتھ پر پورا فرماتے ہیں پس جو خلیفہ نبی کے باقی ماندہ امور کا علماً، عملاً اور فتوحاً مکمّل اور متمّم ہو وہ اس کا ترویج اور غلبہ کی تکمیل اور تتمیم کے متعلق ہو۔

اور یہ وہ شخص ہوتا ہے کہ جو قوت عاقلہ اور قوت عاملہ اور قوت اعتدالیہ، (جو قوتِ عاقلہ اور عاملہ کے امتزاج اور اتصال سے پیدا ہوتی ہیں) میں آنحضرت ﷺ سے خاص مناسبت اور خاص مشابہت رکھتا ہو، آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک میں قوت عاقلہ کے کمالِ ثمرات اور نتائج میں سے وحی الٰہی کی اور خلیفۂ راشد کی قوت عاقلہ کے کمال ثمرات اور نتائج میں سے صدیقیت اور مُحدَّثیت اور الہام اور فراست صادقہ ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے مظنونات حکم میں یقینیات کے ہوتے ہیں، اور اکثر واقعات میں اس کی رائے وحی الٰہی کے

مطابق ہوتی ہے۔ ۱؎ اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات میں قوت خلیفۂ خاص اور خلیفۂ راشد ہے جیسے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باقی ماندہ امور کی تکمیل یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی، اور داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باقی ماندہ امور کی تکمیل و تمیم سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی۔ حق جل شانہٗ کے اس ارشاد اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ۔ ۲؎ (پھر جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کررہے ہیں، اس میں سے تھوڑا سا آپ ﷺ کو دکھلا دیں، یا اس سے پہلے آپ ﷺ کو وفات دے دیں۔ سو ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہوگا)۔ میں

۱؎ عام طور پر خلیفۂ راشد کے بارے میں یہی پیرایۂ بیان اختیار کیا جاتا ہے کہ اس کی رائے وحیِ الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اور اس بات کے مشارٌ الیہ فی الواقع سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ لیکن مجھے اس تعبیر اور پیرایۂ بیان سے اختلاف ہے۔ خلیفۂ راشد تو اللہ تعالیٰ کے رسول کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کی رائے تو بلاشبہ وحیِ الٰہی کے مطابق ہی ہوگی لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملے میں اگر یہ کہا جائے تو وہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق ہوگا کہ: کئی مقامات پر وحیِ الٰہی ان کی رائے اور خواہش کے مطابق نازل ہوئی، اور وحیِ الٰہی بھی وہ جو بصورتِ قرآن نازل ہوئی، یعنی اصطلاحی زبان میں وحیِ جلی۔

خواتین کے لئے پردہ کا حکم نازل ہو۔ یہ عمر فاروق اعظم کی خواہش تھی۔ چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق آیتِ پردہ (پردہ کا حکم) نازل ہوئی۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان کو قتل کیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور خود جناب رسالت مآب ﷺ کی رائے تھی کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اس کے برخلاف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے تھی کہ انہیں قتل کردیا جائے۔ حضور ﷺ نے اپنی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ لیکن وحیِ الٰہی کا نزول حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق ہوا۔ قرآن نے ان کی رائے کی توثیق کی اور حضور ﷺ کے فیصلے کو ناپسند کیا۔

اس کے علاوہ بھی کئی قرآنی آیات ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اور خواہش کے مطابق نازل ہوئیں۔

اس لئے ناچیز کی رائے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ کہنا حقیقت کے مطابق نہیں کہ: "ان کی رائے وحیِ الٰہی کے مطابق ہوتی ہے" بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ: متعدد مواقع پر وحیِ الٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی مطابقت کی۔ (م۔م۔ص)۔

۲؎ القرآن: ۴۰ (المؤمن)، پا   )، ۷۷۔

اسی طرف اشارہ ہے کہ جو وعدے ہم نے آپ ﷺ سے کئے کچھ تو آپ ﷺ کی وفات سے پہلے آپ ﷺ کی زندگی ہی میں پورے ہو جائیں گے، اور جو وعدے باقی رہ جائیں گے وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر پورے ہو جائیں گے۔ جو وعدے آپ سے کئے گئے ہیں وہ اپنے اپنے وقت پر پورے ہو جائیں گے۔

خلافت کا ظاہر اور باطن

خلافت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ خلافت کا ظاہر وہ ریاست اور فرماں روائی ہے، جو دین متین کی تمکین اور اس کی اقامت اور استحکام کے لئے ہو، اور خلافت کا باطن، وہ خاص تشبہ ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان افعال اور صفات میں مشابہ ہوتا ہے جو افعال اور صفات آنحضرت ﷺ کو بحیثیت پیغمبری حاصل تھے۔

پس جس طرح حقیقت نبوت ارادۂ الٰہیہ ہے جو عالم کی صلاح اور فلاح، اور مفسدین اور کفار کے اہلاک، اور دین متین اور شریعت الٰہیہ کی ترویج کے متعلق ہو، اسی طرح حقیقتِ خلافت، ارادۂ الٰہیہ ہے کہ جو کسی شخص کے ہاتھ پر پیغمبر کے اقوال و افعال اور اس کی شریعت اور اس کے دین کی اشاعت اور عاملہ کے کمال کے ثمرات و نتائج میں سے عصمت کاملہ اور سیرت صالحہ تھی اور خلیفۂ راشد کے حق میں قوت عاملہ کے کمال اثرات اور نتائج میں سے صلاح کامل اور عفت کاملہ ہے جس کو اصطلاح میں محفوظیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فرمایا:

اِنَّ الشیطان یفر من ظل عمر. تحقیق شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے۔

اور قوتِ اعتدالیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ حق جل شانہٗ نے انسان میں دو

خصلتیں رکھی ہیں۔ ایک خصلتِ بہائم اور ایک خصلتِ ملائکہ پس خصلتِ بہیمیت اور خصلتِ ملکیت کے درمیان اعتدال اور میانہ روی اختیار کر کے نہ ملکیت کو بیگار چھوڑے اور نہ بہیمیت کو، ہر ایک کے حق ادا کرے، کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ اعتدال اور میانہ روی، ان دونوں قوتوں کے درمیان حدِ فاصل ہے، اور یہی میانہ روی ہمیشہ انبیاء کرام کا مطمحِ نظر رہی۔

اور آنحضرت ﷺ کے حق میں قوت براعت یعنی قوت اعتدالیہ اور امتزاجیہ کے ثمرات میں سے معجزات اور خوارق عادات اور عجیب وغریب واقعات کا ظہور تھا اور خلیفۂ راشد کے حق میں قوت اعتدالیہ کے ثمرات اور نتائج میں مقامات عالیہ اور کرامات خارقہ اور تاثیر دعوات صالحہ اور تاثیر مواعظ خلیفہ ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ:

اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ[1] (ان کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تسکین ہے تمہارے رب کی طرف سے، اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو آلِ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور آلِ ہارون علیہ الصلاۃ والسلام چھوڑ گئے ہیں) اس امر پر دال ہے کہ نبی کا مقرر فرمودہ بادشاہ اسی قسم کے خیرات وبرکات، اور کرامات کا مصدر ہوتا ہے۔

پس جب خلیفہ میں یہ تینوں صفتیں پائی جائیں تو اس کو آنحضرت ﷺ سے تین قسم کا تشبہ حاصل ہوگا۔ ان تینوں صفتوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تشبہ خلافت کا باطن ہے، اور تمکین دین اور ترویج ملت کے لئے ریاست اور فرمانروائی یہ خلافت کا ظاہر ہے۔

پس نبی کا خلیفۂ خاص وہ شخص ہے کہ جس میں خلافت کے ظاہر اور باطن دونوں پہلو پائے جائیں اور یہ خلافت خاصہ مراتب ولایت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جو مقام

---

[1] القرآن: ۲ (بقرہ)، ۲۴۸۔

نبوت سے اقرب اور اشبہ ہے۔ امّت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیہ کے علماء وصلحاء کو دین محمدی کی ترویج وتجدید کی وجہ سے جو مدارج ومراتب حاصل ہوئے وہ اپنی جگہ پر ہیں، اور خلافت ان تمام مدارج اور مراتب کی جامع ہے جو علماء اور صلحاء اور امراء اور ملوک کو حاصل ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کے خلیفۂ خاص کی صفات

اوپر جو کچھ بیان کیا وہ زیادہ تر مطلق نبی اور مطلق پیغمبر کے خلیفۂ خاص سے متعلق تھا۔ اب ہم خاص آنحضرت ﷺ کے خلیفۂ خاص کی صفات کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے نبی اکرم ورسول اعظم ﷺ تمام انبیاء ورسل سے افضل تھے، اور آپ کی شریعت کاملہ تمام شرائع الٰہیہ سے اکمل اور افضل تھی، اور آپ کی کتاب تمام کتب سماویہ سے افضل تھی، اور آپ کی بعثت عام اور دائم تھی۔ یعنی تمام عالم کے لئے تا قیامت آپ کی بعثت تھی، اور آپ کی ذات بابرکات جامع الفضائل و الکمالات تھی، اور آپ سے پہلے جس قدر حضرات انبیاء ومرسلین گزرے ان کو خاص خاص معجزات اور کرامتیں عطاء فرمائیں، اور خاص خاص قوموں کی طرف ایک محدود زمانہ کے لئے ان کے معبود فرمایا۔

آپ سے پیشتر نبوت ورسالت کا ظہور مختلف صورتوں اور مختلف شکلوں میں ہوتا رہا۔

1. حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نبوت بصورت بادشاہت تھی تاکہ اس بے مثال اور خارق عادت بادشاہت کو دیکھ کر اس زمانہ کے بادشاہوں کی گردنیں بارگاہ نبوت کے سامنے خم ہو جائیں۔
2. اور حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت بصورت حبریت عالمیت تھی یعنی وہ نبی

اسرائیل کے سب سے بڑے حبر اور عالم تھے جو ان کو اپنے علوم اور معارف اور مواعظ بلیغہ سے سیراب فرماتے تھے۔

❸ اور حضرت یونس اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کی نبوت بصورت زہد وعبادت تھی۔ دونوں بزرگ عابد وزاہد نبی تھے۔

❹ اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت بصورت اصلاح و تربیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت جیسی روشن کتاب دے کر بھیجا تاکہ بنی اسرائیل کی اصلاح اور تربیت اور ان کی دینی اور دنیوی عزت و رفعت کا سبب بنے، اور بنی اسرائیل کی دشمن قوم یعنی فرعون اور قبطی ذلیل اور مقہور ہوں اور بنی اسرائیل ان کے تخت وتاج کے وارث بنیں اور سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جائے۔

❺ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت بصورت طب وحکمت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص کا اعجاز عطا فرمایا جس کو دیکھ کر فلاسفہ اور اطباء دنگ اور حیران رہ گئے۔

صد ہزاراں طب جالینوس بود   پیش عیسیٰ ودمش افسوس بود

بہرحال نبوت جس وقت بھی جس صورت میں نمودار ہوئی ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نے اُن حضرات کو عزت و وجاہت اور غلبہ عطا فرمایا اور اُمت کو انقیاد اور اطاعت کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرات انبیاء کرام کا یہ غلبہ اور عزت و وجاہت اور قوم کا انقیاد بمنزلہ بدن انسانی کے تھا۔ اور اس کے اندر جو عنایت الٰہیہ اور فتح غیبی مستور تھی وہ بمنزلہ نفس ناطقہ کے اندر ہی اندر کارفرما تھی وہ نبوت کی روح تھی اور آیت کریمہ: **اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ** [1] (بے شک ہم نے

[1] القرآن: ۴۸ (الفتح) ۱، ۲۔

آپ کو ایک کھلی فتح عطا کی، تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے)۔ میں اسی روح نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ بدن میں جو حرکت نظر آتی ہے وہ روح کا اثر ہے مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ہے۔

باہمہ شیراں وبے شیر علم جنبش ازبا دباشددم بدم

آنحضرت ﷺ چونکہ افضل الرسل اور خاتم الانبیاء تھے۔ اس لئے من جانب اللہ آپ کی نبوت ان تمام صورتوں کی جامع ہوئی یعنی بادشاہت اور جبریت اور علم وحکمت اور زہد اور عبادت اور فقیری اور درویشی آپ کی نبوت ان سب کی جامع تھی، آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ابتداء علم اور حکمت اور فقر اور درویشی اور زہد اور عبادت سے ہوئی جیسا کہ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ [1] (وہی ہے زبردست حکمت والا جس نے ناخواندہ لوگوں میں اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھاتا ہے)۔ میں اسی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضور پرنور ﷺ نے بعثت کے بعد اہل مکّہ کو توحید اور رسالت کی دعوت دی، چند لوگ آپ کے پیرو ہوگئے اور پھر اسی طرح سے ترقی ہوتی گئی، اور دن بدن آفتاب نبوت کی روشنی اطراف اور جوانب میں پھیلنے لگی، اور روز بروز حق کے قبول کرنے والے بڑھنے لگے یہاں تک کہ آپ کی نبوت ایک رئیس شہر کی صورت میں نمودار ہوئی، بعد ازاں آپ کو ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف و جوانب کے لوگ

[1] القرآن: ۶۲ (الجمعہ) ۲۔

اسلام میں داخل ہو گئے، اور اسی طرح اسلام کی جمعیت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ مکہ معظمہ فتح ہوا، اور قبائل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اور وعدۂ الٰہی اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا[1] (اے محمد ﷺ! جب اللہ تعالیٰ کی مدد، اور (مکہ کی) فتح آپہنچے۔ اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتا دیکھ لیں) کا ظہور ہوا۔

فتح مکہ میں دس ہزار صحابہ آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے، اس کے بعد آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا، تو ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار مجاہدین اور ایک روایت میں ہے کہ ستر ہزار مجاہدین آپ کے ہم رکاب تھے، اور ایک سال بعد حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار مجاہدین آپ کے ہم رکاب تھے۔ اس وقت یمن، تہامہ، نجد اور نواحیٔ شام آپ کے دست تصرف میں تھے، اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے ان مقامات اور شہروں میں زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر تھے، آنحضرت ﷺ کی حیات سراپا خیرات و برکات میں مدینہ طیبہ ایک دار السلطنت کی صورت میں تھا اور آپ ﷺ کی نبوت بشکل بادشاہت تھی، شیر خوار بچہ کی طرح یہ اسلام کی ابتداء کی حالت تھی مگر لحہ بلحہ ترقی پر تھی۔ ترقی کے مدارج ابھی پورے نہ ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عالم سے رحلت فرمائی، اور وہ درجہ جو ترقی کا ابھی باقی تھا وہ ذوالقرنین جیسی سلطنت تھی کہ جملہ سلاطین وقت ان کے لواءِ سلطنت کے مطیع اور منقاد تھے اور یہ وہ سلطنت تھی جس کا بادشاہ شہنشاہ کہلاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بارہا اس کی بشارت دی لیکن جب آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نداء آئی: يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ

[1] القرآن: ۱۱۰ (نصر)، ۱۔

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ؀ [1] (اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا، اس حال میں تو اس سے خوش، اور وہ تجھ سے خوش)۔ اور آنحضرت ﷺ نے کہا، لبیک تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ آپ کے بعد روم اور فارس کی فتح سے خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر پورا ہوا، اور فارس اور روم کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اور یہ سب کارہائے نمایاں آنحضرت ﷺ کے پلۂ حسنات میں محسوب ہوئے، اور اس طرح مضمون آیت کریمہ: هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ [2] (وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت، اور سچا دین دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ اُسے دوسرے تمام دینوں پر غالب کردے۔) ظہور پذیر ہوا۔ فالحمد اللّٰہ علیٰ ذٰلک. یہ صورت سلطنت تھی۔

اور صورت حبریت اور عالمیت یہ تھی کہ حضور پُر نور ﷺ نور نے جہلاءِ عرب کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ عرب نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ امّی ہیں لکھے، پڑھے نہیں مگر ایسی کتاب کی آیتیں پڑھ کر ہم کو سناتے اور سمجھاتے ہیں کہ جس کی فصاحت اور بلاغت حیطۂ ادراک سے باہر ہے، اور وہ کتاب باعتبار معانی اور مضامین ہر قسم کے دینی اور دنیوی اور تہذیبی اور تمدنی احکام پر مشتمل ہے، ایسا کلام بندہ کی طاقت سے باہر ہے، ایسا کلام تو اللہ تعالیٰ کا ہی ہوسکتا ہے، اور پھر آپ کی زبان فیض ترجمان سے جو احادیث سنیں وہ بھی عجیب و غریب علوم و معارف کا خزینہ اور گنجینہ تھیں۔ سمجھ گئے کہ یہ شخص کوئی خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہے۔ رفتہ رفتہ حضور ﷺ کی پیروی کرنے لگے، اور علم و رشد کی روشنی عربوں میں پھیلنی شروع ہوئی اور اتنی پھیلی کہ گھر گھر علمی روشنی سے منور ہوگیا حتیٰ کہ جو لوگ بادیہ نشین تھے وہ بھی علماءِ وقت اور فضلاءِ ملّت بن گئے۔

آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی کی حفاظت اور نگہداشت شروع کی اور ایک

---

[1] القرآن:۸۹ (الفجر)، ۲۷، ۲۸۔

[2] القرآن:۹ (توبہ)، ۳۳۔

جماعت کو اس کی کتابت کے لئے متعین فرمایا۔ اور ایک جماعت کو قرآن کریم کی تعلیم دینی شروع کی، اور ایک جماعت کو تفسیر قرآن کی، اور ایک جماعت کو حفظ واحادیث کی، اور ایک جماعت کو قضاء اور افتاء کی تعلیم دینی شروع کی کہ شریعتِ الٰہیہ کے چشمۂ آب حیات اور حوض کوثر کی اس طرح ایک حد بندی ہو جائے تا کہ قیامت تک کے مسلمان اس چشمہ سے سیراب اور فیض یاب ہو سکیں۔

تعلیم کتاب وحکمت کے یہ مراحل تو حضور پُر نور کی زندگی میں طے ہو گئے، ہنوز کچھ مراحل اور مدارج باقی تھے۔ مشیت الٰہی یہ تھی کہ ان مراحل ومدارج کی تکمیل خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر ہو، اور وہ قرآن مجید کا یک جگہ بین الدفتین جمع کیا جانا تھا، چنانچہ خلفاء راشدین نے آنحضرت ﷺ کے بعد قرآن کو پتھروں اور کھجور کی شاخوں اور لوگوں کے سینوں سے ایک جگہ بین الدفتین بشکل مصحف جمع کرایا، اور جمع کر کے تمام آفاق میں اس کو شائع کیا تا کہ مسلمان اس کو اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ رکھ سکیں، اور اس طرح: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ [1] (اس کا جمع کر دینا، اور آپ ﷺ کی زبان سے اس کا پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے)۔ میں جو جمع قرآن کا وعدہ کیا گیا تھا وہ خلفاء راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا، اور احادیث نبویہ کے متعلق یہ خدمت انجام دی کہ آنحضرت ﷺ کے وہ احکام جو ہنوز عامہ مسلمین میں شائع نہ ہوئے تھے، خلفاء راشدین حسب ضرورت ان کی تحقیق اور تفتیش کرتے گئے، اور انہی کے مطابق حکم دیتے رہے۔ یہاں تک وہ احکام تمام مسلمانوں میں شائع ہوتے گئے۔ اور روایتِ حدیث میں حزم اور احتیاط کی تاکید کی، اور اسی لئے کسی کسی موقعہ پر گواہ بھی طلب کئے، اور جو آیات اور نصوص قرآنیہ محتمل المعنیٰ تھیں یعنی جن میں متعدد اور مختلف معانی کی طرف ذہن جا سکتا تھا، اہل حل وعقد اور اکابر صحابہ کے مشورہ سے ان کے معنیٰ متعین کر دیئے، اور بہت سے مختلف فیہ مسائل کو

[1] القرآن: ۷۵ (قیامہ)، ۱۷۔

مشورہ اور اتفاق سے طے کیا اس طرح مختلف فیہ مسائل میں اجماع کی بنیاد ڈالی۔

اور جن امور میں کوئی نص شرعی نہ تھی ان میں اجتہاد کرنے کا طریقہ بتلایا۔

امام دارقطنی [1] نے ادب القضاء میں روایت کیا ہے کہ فاروق اعظم نے ابوموسیٰ اشعری کو خط لکھا اور اس میں یہ حکم لکھا کہ جو امر تمہارے دل میں باعث خلجان پیش آئے جس کے متعلق تمہیں کتاب وسنت سے کچھ نہ پہنچا ہو تو اس میں نہایت فہم اور سمجھ سے کام لو، اور کتاب وسنت میں جو اس کے امثال ونظائر ہیں ان کو دیکھ کر ان پر قیاس کرو، اور اس کی پوری کوشش کرو کہ جو امر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے زیادہ حق کے مشابہ ہو اس کو اختیار کرو۔

اس طرح فاروق اعظم نے قیاس اور اجتہاد کی بنیاد ڈالی، اور ظاہر ہے کہ یہ امور یعنی اجماع وقیاس، کتاب وسنت کے علاوہ ہیں اس لئے کہ ان امور پر کتاب وسنت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا لیکن کتاب وسنت کے مخالف نہیں بلکہ عین مطابق اور عین موافق ہیں، انہی سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے خود کتاب وسنت کے بے شمار نصوص اجماع اور قیاس کی حجیت کی طرف مشیر ہیں۔

پس شریعت کے دو آخری مرتبے اجماع اور قیاس خلفاء راشدین کے ہاتھ پر مکمل ہوئے، جن کی تکمیل زمانۂ سعادت میں نہیں ہو سکتی تھی اس لئے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوا ہے وہ کتاب وسنت میں منحصر ہے، اور یہ امور کتاب وسنت کے علاوہ ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ کے بعد ایک خلیفہ کی ضرورت تھی، جو قرآن مجید کو جمع کرتا، اور احادیث نبویہ کی نہایت حزم اور احتیاط کے ساتھ نشر واشاعت کرتا، اور اُن کی تفسیر اور شرح سے لوگوں کو آگاہ کرتا، اور کتاب وسنت کے بعد ادلۂ شرعیہ میں جو سب سے افضل اور بہتر دلیل ہے، یعنی اجماع اہل علم و تقویٰ کی بنیاد رکھتا، اور غیر منصوص مسائل میں قیاس اور استنباط کی تعلیم دیتا۔

[1] دارقطنی۔ پورا نام: ابوالحسن علی بن عمر۔ م: ۳۸۵ھ۔

چنانچہ کتاب وسنت کے بعد باتفاق علماء افضل ادلہ شرعیہ اجماعیات خلفاء ہیں جو فقہاء صحابہ کے اتفاق اور مشورہ سے منعقد ہوئے، اور تمام امت نے دل و جان سے ان کو قبول کیا۔ اور ظاہر ہے کہ عہد نبوت اور زمانۂ نزول وحی میں کسی مسئلہ کا مشورہ اور اتفاق سے طے کرنا ناممکن تھا، اس لئے اجماع اور اتفاق کی بنیاد حضور ﷺ کی وفات کے بعد پڑی۔

اور اسی طرح قیاس اور استنباط کی بنیاد بھی حضور ﷺ کے بعد پڑی، اور اس طرح سے حضور پُر نور ﷺ کی نبوت کی جو ابتداء کی صورت وشکل تھی۔ یعنی حبریّت عالمیت اور تعلیم کتاب وحکمت اس کی تکمیل وتتمیم خلفا کے ہاتھوں پر ہوئی کہ اَدِلّہ شرعیہ کی تکمیل ہوئی، یعنی کتاب وسنت کے بعد اجماع اور قیاس کی بنیاد پڑی، اور فقہاء کرام نے اپنے اپنے مذاہب کی بنیاد جن اَدِلّہ پر رکھی وہ بھی چار ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس اور آنحضرت ﷺ کی صورت زہد اور عبادت اور صورت ارشاد و تزکیۂ اور تلقین وتربیت کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ خلفاء راشدین نے حضور پُر نور ﷺ کے اذکار اور انواع احسان واخلاص، اور وظائف عبودیت اور توحید اور توکل اور صبر وشکر وغیرہ وغیرہ کی تلقین وتعلیم کو قولاً اور عملاً جاری رکھا۔

اور جس طرح حضور پُر نور ﷺ اپنی فیض صحبت سے صحابہ کے نفوس کا تزکیہ اور تربیت فرماتے تھے، اسی طرح خلفاء راشدین بھی اُمت کے قلوب کا تزکیہ اور تجلیہ کرتے رہے۔ اور بادشاہت کی تکمیل اس طرح سے ہوئی کہ فارس اور روم کی سلطنتیں اسلام کی باج گزار بنیں۔

غرض یہ کہ جس طرح حضور پرُنور ﷺ کی نبوت تینوں صورتوں کی جامع تھی اسی طرح خلفاء راشدین کی خلافت بھی تینوں صفتوں کی جامع ہوئی۔ یعنی بادشاہی اور علم و حکمت اور فقیری ودرویشی کا مجموعہ ہوئی۔

خلافتِ راشدہ کی مثال

خلیفۂ راشد کی مثال بانسری کی مانند ہے کہ جس طرح بانسری بجانے والا آواز بلند کرنے کے لئے یا اس آواز میں کوئی شدّت یا خاص کیفیت پیدا کرنے کے لئے بانسری کو اپنے منہ سے لگا لیتا ہے تو اصل آواز تو بجانے والے کی ہوتی ہے اور شدت اور کیفیت بانسری کی ہوتی ہے، اسی طرح جو کام خلفاء راشدین کے ہاتھ سے پورے ہوئے وہ سب نبی ہی کی آواز تھے، اور خلیفہ بمنزلہ بانسری کے تھا۔

یا یوں کہو خلیفہ راشد کا وجود نبی کے حق میں بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہوتا ہے کہ اصل فرماں روا قلب اور دماغ ہوتا ہے۔ (یعنی نبی کی ذاتِ بابرکات) اور خلفاء راشدین اس کے لئے بمنزلہ دست و بازو کے ہوتے ہیں کہ جن کی حرکت نظر آرہی ہے، اور دل و دماغ کی حرکت نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔

خلافت راشدہ کا زمانہ، زمانۂ نبوت کا بقیہ ہے، فرق اتنا ہے کہ زمانۂ نبوت میں خود اپنی زبان مبارک سے صراحۃً امور کو بیان فرماتے تھے، اور زمانۂ خلافت میں نبی ساکت و صامت بیٹھے ہیں، لسان نبوت خاموش ہو، اور ہاتھ اور سر اور پیر سے اشارے کر رہے ہیں، اور اہل فہم اور اہل دانش مقصود کو سمجھ رہے ہیں اور جس نے اعضاء و جوارح (یعنی خلفاء راشدین) کی حرکات و سکنات کے سمجھنے میں غلطی کی وہ اس کی سمجھ کا قصور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین کے اقوال اور افعال باجماع امت حجت شرعیہ ہیں ان کا اتباع واجب اور لازم ہے۔ خلفائے راشدین کی سنت کے اتباع اور خاص ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اقتداء کے لزوم اور تاکید کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

خلفائے راشدین کے اقوال وافعال حُجّتِ شرعیہ میں

حق جل شانہٗ نے آیت استخلاف میں وعدۂ خلافت کے بعد یہ ارشاد فرمایا: ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم۔[1] (اور تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط اور مستحکم کرے جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے)۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے دین کو خلفاء راشدین کی طرف منسوب فرمایا، یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں پر دین کا اطلاق کیا، جو خلفاء کے ہاتھوں سے ظاہر ہوں گے اور پھر الذی ارتضی لھم سے اس کا پسندیدۂ خداوندی ہونا بیان فرمایا، یہ اس کی صریح دلیل ہے کہ خلفاء راشدین کے اقوال وافعال داخلِ دین ہیں، اور خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ائمۂ مجتہدین کے نزدیک خلفاء راشدین کے اقوال اور افعال ادلۂ شرعیہ میں شمار ہوتے ہیں، اور ان کو قیاس پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ خلفاء راشدین اُن صفاتِ فاضلہ کے ساتھ موصوف تھے جو بارگاہ خداوندی کے مقربین اور کاملین کے ساتھ مخصوص ہیں۔ علم وحکمت، فہم اور فراست، حسن معاملہ اور حسن عبادت اور افعال اور صفات میں نبی اکرم ﷺ کا نمونہ تھے، ان حضرات کی حزم اور احتیاط، شجاعت اور سیاست اور رعیت شناسی جس سے حکومت اور سلطنت حاصل ہوتی ہے اور چلتی ہے، وہ ایسی بے مثال تھی، جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا آج تک عاجز ودرماندہ ہے۔

خلفائے راشدین کا دورِ خلافت، عہدِ نبوت کا تتمہ تھا، جو وعدے نبی اکرم ﷺ

[1] القرآن ۲۴ (النور) ۵۵۔

سے کئے گئے تھے وہ خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورے ہوئے۔فرق اتنا تھا کہ آسمان سے وحی نہیں آتی تھی۔مثل:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ". [1]

(ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے،اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)۔

"اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ". [2]

(اس کا جمع کرنا،اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے)۔

"لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ". [3]

(تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے)۔

"سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ". [4]

(عن قریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے)۔

"وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ٥". [5]

(اور لوحِ محفوظ کے بعد ہم سب آسمانی کتابوں میں لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے)۔

یعنی حفاظتِ قرآن،غلبۂ اسلام،فتح روم و فارس،اور روئے زمین کی وراثت یعنی اقتدارِ اعلیٰ،اللہ تعالیٰ کے یہ تمام وعدے خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورے ہوئے۔

---

[1] القرآن:۱۵(الحجر)،۹۔

[2] القرآن:۷۵(قیامہ)،۱۷۔

[3] القرآن:۹(توبہ)،۳۳۔

[4] القرآن:۴۸(الفتح)،۱۶۔

[5] القرآن:۲۱(الانبیاء)،۱۰۵۔

خلفاء کی افضلیت کی قوی وجہ یہ ہے کہ دین کی بوقتِ غربت اور بوقتِ عسرت جان، مال، تبلیغ، جہاد، اور مناظرہ سے مدد کی، اور سب سے سبقت لے گئے، ظاہر ہے کہ حضور پُر نور ﷺ ابتداء میں تنِ تنہا تھے، اللہ تعالیٰ کا ارادہٗ ازلیہ دین کے غالب کرنے کا ہو چکا تھا، عالم اسباب میں حق تعالیٰ نے اس کی یہ صورت پیدا کی کہ ان لوگوں کے دلوں میں نبی کریم کی اعانت اور نصرت اور حمایت کا خاص داعیہ پیدا فرمایا، نیز خلفاء کی افضلیت کی ایک قوی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم اور امّت کے درمیان واسطہ بنے، قرآن وحدیث کی ترویج میں سب سے آگے رہے، اور عرب اور عجم سے جہاد کیا اور اسلام کا پرچم بلند کیا۔

شیخین کی افضلیت کو سب سے زیادہ صاف اور واضح کرنے والے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ جن سے باسانید صحیحہ اور متواترہ مروی ہے کہ کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر اپنے عہد خلافت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اُمت میں سب سے بہتر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں''۔

خلافت کا اصل مقصد تمکینِ دین ہے، لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ مقصد کس کس خلیفہ کے ہاتھ سے حاصل ہوا؟ مقاصد کی تحصیل اور تکمیل کے ذرائع اور وسائل پر بحث کرنا فضول ہے۔

یہ بالکل ایسا ہے کہ بادشاہ کو مقصود کسی دشمن کو قتل کرانا ہے۔ جس سے دنیا مصیبت میں مبتلا ہے، ایک جواں مرد اٹھا اور اس نے جس طرح ہو سکا اس کا کام تمام کیا، گلا گھونٹ کر مار دیا یا پتھر سے مارا یا تیر سے مارا۔ اب ایک بے وقوف کہتا ہے کہ اگر اس دشمن کو بجائے تیر کے تلوار سے مارا جاتا تو زیادہ شجاعت ہوتی، یا یہ کہے کہ فلاں شخص قوت اور شجاعت میں اس سے بہتر تھا۔ یہ باتیں اس کی احمقانہ اور ابلہانہ ہیں۔ اسی طرح یہ بحث کرنا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شجاعت میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر تھے فضول ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خلافت

کا یہ مقصد کس سے زیادہ حاصل ہوا۔ اور مقاصد خلافت کسی سے باحسن وجوہ انجام پائے؟ وہی شخص افضل ہے، شجاعت مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات کی خوشنودی حاصل کرنا ہے جو حاصل ہوگئی۔

آیت استخلاف میں حق تعالیٰ نے دو وعدے فرمائے ایک استخلاف فی الارض کا دوسرے تمکینِ دین کا۔ اور یہ دونوں وعدے حاضرین وقت سے تھے، اب اگر خلفاء کے زمانہ میں پورے نہ ہوئے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ خدا کا وعدہ پورا نہیں ہوا، اور جاہل ہے وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ خلافت مستحق سے غصب کرلی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے میں نہ تخلف ممکن ہے، اور نہ غصب ممکن ہے۔

وعدۂ خداوندی امر تکوینی ہے جس کی مخالفت ناممکن ہے۔ امر تشریعی میں مخالفت ممکن ہے جیسے کسی کو حکم ہو کہ نماز پڑھو اور وہ نماز نہ پڑھے۔

خلیفہ اور بادشاہ میں فرق

سلیمان بن ابی العوجاء [1] سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ خلیفہ ہوں یا بادشاہ، ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین خلیفہ اور بادشاہ میں تو فرق ظاہر ہے، وہ یہ کہ خلیفہ نہیں مال لیتا مگر حق کے ساتھ اور نہیں خرچ کرتا مگر حق کے ساتھ اور آپ بحمد اللہ ایسے ہی ہیں۔ اور بادشاہ ظلم کرتا ہے کہ جس سے چاہتا ہے لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سُن کر خاموش ہوگئے۔

روایت کیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [2] جب منبر پر بیٹھے تو فرمایا کہ: ”خلافت نہ مال جمع کرنے کا نام ہے، اور نہ خرچ کرنے کا بلکہ خلافت اس کا نام

[1] سلیمان بن ابی العوجا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م:

[2] حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م: ۶۰ھ۔

ہے کہ حق پر عمل کرے، حکم میں عدل کرے، اور لوگوں کو امر الٰہی پر قائم رکھے''۔

ایک مجلس میں جس میں حضرت زہیر[1] اور کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور مال غنیمت ان میں برابر تقسیم کرے، اور اپنے اہل وعیال کی طرح رعیت پر شفقت کرے اور کتاب اللہ کے ساتھ اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔ کعب احبار کہنے لگے کہ میرا تو خیال یہ تھا کہ اس مجلس میں میرے سوا کوئی خلیفہ کے معنی نہیں جانتا ہوگا۔[2]

دیکھو تحت تفسیر آیت شصت وہفتم[67] یعنی آیت: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ.[3] (تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور اچھے کام کئے، انہیں ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے؟)۔

نبی اور خلیفۂ راشد کی تعریف

نبی کی تعریف یہ ہے کہ جو شریعتِ الٰہیہ کی تبلیغ پر مامور، اور نفس اس کا نفسِ قدسی ہو جو نورانیت اور صفائی میں ملاء اعلیٰ کے ہمرنگ ہو۔ اسی طرح خلیفہ خاص کی

[1] زہیر۔ م:
کعب احبار۔ م: ۳۴ھ۔
سلمان فارسی۔ م: ۳۳ھ۔
[2] ازالۃ الخفاء۔ ۱/۲۲۷۔
[3] القرآن: ۳۸(ص)۔ ۲۸۔

تعریف یہ ہے کہ جو نبی کی شریعت کو لوگوں میں جاری کرے، اور خدا تعالیٰ کے وہ وعدے جو نبی سے کئے گئے تھے وہ اس کے ہاتھ پر پورے ہوں اور اس کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ نبی کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کی ہمرنگ ہو، اور نبی کا اتباع اس کے حق میں تقلیدی نہ ہو بلکہ تحقیقی ہو۔

خلفاءِ راشدین کی خلافت کا ثبوت

خلفاء راشدین کی خلافت مختلف طریقوں سے ثابت ہے۔ منجملہ ان کے اجماع صحابہ کرام ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا اور فرمایا کہ جس بات کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے، اور جس کو وہ بُرا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُری ہے۔

چونکہ صحابۂ کرام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ تھے، اور کتاب وسنت کے سب سے زیادہ جاننے والے، اور خدا اور اس کے رسول کے عاشق صادق تھے وہ خوب جانتے تھے کہ کون افضل ہے؟ اور کون مفضول؟ اس لئے کسی امر پر اُن کا اتفاق اور اجماع اس امر کے حق اور صدق ہونے کی قطعی دلیل ہوگا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہتر جانا اس لئے ان کو خلیفہ بنایا۔ اور ان کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور پھر علی کو، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اثبات خلافت خلفاء بطریق دیگر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پُر نور کے ظہور کی بشارتیں توریت اور انجیل اور دیگر کتب الہیہ میں موجود ہیں۔

کما قال تعالیٰ:

اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ [1]

(کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس پیشین گوئی کو علمائے نبی اسرائیل جانتے ہیں)۔

وقال تعالیٰ:

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ [2]

(وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)۔

توریت اور انجیل میں جس قدر بھی حضور ﷺ کے اوصاف موجود تھے اگر چہ ظاہری طور پر ان سے کسی خاص فرد کی تعیین نہیں ہو جاتی لیکن ان نصوص کے تواتر اور تسلسل سے یہ امر درجہ یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ ان اوصاف موعودہ کا جامع ایک ہی شخص ہوگا جو مدت دراز کے بعد ظاہر ہوگا۔ اور جس وقت وہ شخص ظاہر ہوگا تو لوگ ان اوصاف کو دیکھتے ہی یقین کریں گے کہ یہ وہی شخص موعود ہے کہ جس کی انبیاء سابقین بشارتیں دیتے چلے آئے۔ اسی طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ خلافتِ راشدہ کی بشارت دی، اور خلفاء راشدین کے اوصاف بیان کئے، اور اُن کی مدح اور ثناء میں یہ بھی بیان کیا کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی توریت اور انجیل میں بشارتیں مذکور ہیں، اسی طرح صحابۂ کرام اور خلفاء راشدین کی بھی مثالیں اور صفتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ؕ [3]

(یہ ہے ان کی مثال توریت میں، اور یہ ہے ان کی مثال انجیل میں)۔

---

[1] القرآن: ۲۶ (شعراء)، ۱۹۷۔

[2] القرآن: ۲ (بقرہ)، ۱۴۶۔

[3] القرآن: ۴۸ (الفتح)، ۲۹۔

ان آیات میں اگرچہ خلفاء کے نام کی صراحت نہ تھی لیکن جن صفات اور افعال کا ذکر تھا جب وہ صفات اور افعال خلفاء راشدین میں لوگوں نے دیکھے اور عرب اور عجم کی بے مثال فتح اور دین اسلام کی تمکین اور غلبہ ان کی ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہوا دیکھا تو تمام مسلمانوں کا دل مطمئن ہوگیا کہ خلافت راشدہ کی بشارت کا مصداق یہی حضرات ہیں، اور مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اس وقت تک کسی زمانہ میں کسی کے ہاتھ پر دین کی ایسی تمکین ظاہر نہیں ہوئی کہ جو ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں ہوئی بلکہ کسی مِلّت اور مذہب میں اس تمکین کا عشرِ عشیر بھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا۔

پس جس طرح نبی آخر الزماں کے ان اوصاف اور کمالات کے ظاہر ہونے سے کہ جن کی توریت و انجیل میں بشارت دی گئی تھی۔ اہل کتاب پر حجت پوری ہوئی اور آپ پر ایمان لانے کے مکلّف ہوئے۔

اسی طرح خلفاء راشدین میں ان اوصاف اور لوازم کے پائے جانے سے جو حق تعالیٰ نے خلافت راشدہ کے متعلق بیان فرمائے ہیں، خلفاء کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوئی، اور ان خلفاء کا ماننا اور ان کی اطاعت کا ضروری ہونا بدیہی طور پر معلوم ہوگیا۔ قرآن کریم کے اصلی مفسّر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن کریم کے متعلق جہاں اشکال پیش آئے وہاں حدیث نبوی کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ حق جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

"وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ".[1]

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل کیا کہ تم اس کی تفسیر کرو، اور لوگوں کے لئے اس کے معانی بیان کرو)۔

---

[1] القرآن: ۱۶ (النحل)، ۴۴۔

چنانچہ خلافت کے بارہ میں جب آیتیں نازل ہوئیں تو ان میں باعتبار معنی اور مفہوم کے کوئی غموض اور ابہام نہ تھا لیکن مدت خلافت اور تعیین اسماء خلفاء اور ترتیب خلافت کے اعتبار سے کچھ غموض اور ابہام تھا جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم غیب کے اشاروں سے واضح اور متعین فرمایا۔

حق تعالیٰ کی یہ سُنت ہے کہ انبیاء کرام کو کبھی بذریعہ وحی بیداری میں کسی امر کی خبر دیتے ہیں، اور کبھی بذریعہ رؤیائے صالحہ اس سے آگاہ کرتے ہیں جیسے شب قدر، اور سہو ان کے متعلق بذریعہ وحی خواب بتلایا گیا۔ اسی طرح اسماء خلفاء کی تعیین اور اُن کی ترتیب خلافت، اور مدتِ خلافت کے متعلق آپ کو اور آپ کے اصحاب کے مختلف طور پر خواب دکھلائے گئے جن سے معلوم ہوا کہ حضور کے بعد یہ لوگ اس ترتیب سے خلیفہ ہوں گے۔

❶ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں جس پر ایک ڈول رکھا ہوا ہے۔ میں نے اس کنویں سے پانی نکالا جس قدر خدا تعالیٰ کو منظور تھا، پھر مجھ سے وہ ڈول ابو قحافہ کے بیٹے یعنی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لے لیا، اور ایک دو ڈول نکال لئے مگر ان کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے، پھر یکا یک چرے کا بڑا ڈول بن گیا، اور ان کے ہاتھ سے ابن خطاب نے اس کو لے لیا، اور اتنا پانی نکالا کہ لوگ سیراب ہو گئے، اور اپنے اونٹوں کو بھی سیراب کر لیا۔[1]

❷ سنن ابی داؤد میں ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اتری جس میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تولے گئے تو آپ بھاری نکلے، پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تولے گئے تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھاری نکلے، پھر عمر اور

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ کتاب المناقب، دیکھئے ازالۃ الخفاء ۔ ۱/۵۸۔

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو لے گئے تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھاری نکلے، پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر رنجیدہ ہوئے۔[1]

❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کی شب میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے۔ جس میں سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ دونوں ہاتھوں سے اس کو لے رہے ہیں۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ، اور میں نے دیکھا کہ ایک رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹک رہی ہے، پھر میں نے دیکھا کہ یا رسول اللہ آپ نے اس رسّی کو پکڑ لیا، اور اس کے ذریعہ آسمان پر چڑھ گئے، پھر آپ کے بعد ایک اور شخص آیا کہ اس نے وہ رسّی پکڑی، اور اس ذریعہ آسمان پر چڑھ گیا، پھر اس کے بعد ایک تیسرا شخص آیا جس نے اس رسّی کو پکڑا تو وہ رسّی ٹوٹ گئی مگر پھر جڑ گئی اور وہ شخص بھی آسمان پر چڑھ گیا۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر آپ مجھ کو اجازت دیں تو میں اس خواب کی تعبیر عرض کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اس کی تعبیر بیان کرو۔! ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ: ابر سے مراد تو اسلام ہے، اور اس سے ٹپکنے والی چیز قرآن کی نرمی اور شیرینی وہ گھی اور شہد ہے جس سے کوئی زیادہ اور کوئی کم لے رہا ہے، اور وہ رسّی جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے، وہ دین حق اور شریعت حقہ کی رسّی ہے جس پر آپ قائم ہیں اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آپ کو

[1] ازالۃ الخفاء۔ ۱/۵۸۔

(حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م: ۱۳ھ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م: ۲۳ھ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م: ۳۵ھ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ م: ۴۰ھ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ م: ۶۸ھ۔

علو اور رفعت عطا کرے گا، پھر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص اس رسّی کو تھامے گا اور بلندی حاصل کرے گا، اور پھر ایک اور شخص اس رسّی کو پکڑے گا اور اس کے ذریعہ بلندی پر چڑھ جائے گا، اور پھر اس کے بعد ایک تیسرا شخص اس رسّی کو پکڑے گا اور پھر وہ رسّی ٹوٹ جائے گی، اور پھر وہ رسّی اس کے لئے جوڑی جائے گی، اور پھر وہ شخص بھی اس رسّی کے ذریعہ بلندی پر چڑھ جائے گا۔ (اخرجہ البخاری ومسلم والدارمی وابوداؤد والترمذی)۔ اور اس قسم کے خوابوں کے علاوہ ایک دوسرے طریقہ سے آنحضرت ﷺ نے خلفاء کے اسماء، اور ترتیب خلافت کو بیان فرمایا یعنی آئندہ واقعات کی اس طرح خبر دی کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے بعد یہ لوگ خلیفہ ہوں گے۔

❶ مثلاً حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے آپ نے ایک پتھر رکھا اور پھر فرمایا کہ: میرے پتھر کے برابر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک پتھر رکھیں، پھر فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پتھر کے برابر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک پتھر رکھیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پتھر کے برابر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک پتھر رکھیں، کسی نے حضور ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے چند کنکریاں اپنے ہاتھ میں لیں تو اُن کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی جس کو تمام حاضرین نے سُنا۔

آپ ﷺ نے وہ کنکریاں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں ان کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی جس کی آواز کو تمام حاضرین نے سُنا۔

آپ ﷺ نے وہ کنکریاں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں، اُن کے ہاتھ میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی جس کی آواز کو تمام حاضرین نے سُنا۔ پھر آپ ﷺ

نے وہ کنکریاں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں، اُن کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی جس کی آواز کو تمام حاضرین نے سُنا۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً ہمارے ہمارے ہاتھوں پر وہ کنکریاں رکھیں مگر کسی کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح نہ پڑھی، غرض یہ کہ اس کے غیبی افاضات اور اشارات بے شمار ہیں مثلاً میرے بعد زکوٰۃ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینا، اور اگر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ہوں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینا، اور اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ہوں تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینا۔ یا یہ فرمانا کہ: میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء کرنا۔ [۱]

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا: میرا دل چاہتا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤں اور ایک وصیّت نامہ لکھوا دوں تا کہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں، اور تمنا کرنے والے تمنا نہ کر سکیں۔ لیکن میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان سوائے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی پر راضی نہ ہوں گے''۔ [۲]

لہٰذا لکھوانے کی ضرورت نہیں، اور بجائے تحریرِ وصیت کے عملی طور پر امامتِ صلوٰۃ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی جو دین کا ستون ہے اور اس کے بعد آپ نے کسی کتابت اور صراحت کی ضرورت نہ سمجھی، یہ عملی استخلاف قولی استخلاف سے بڑھ کر ثابت ہوا، اور یہ تمام احادیث، آیاتِ استخلاف کی ایسی ہی تفسیر ہیں جیسا کہ احادیثِ وضوء آیت وضوء کی تفسیر ہیں، اور جب ان احادیث کو آیات خلافت کے ساتھ ملا لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ان بزرگوں کا نام بھی آیات میں بیان کر دیا گیا ہے اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا تھا وہ ان ہی بزرگوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

---

[۱] یہ تمام روایات کتب احادیث میں بھی ہیں، اور شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں بھی نقل کی ہیں۔

[۲] صحیح مسلم، اور دیگر کتب حدیث میں (ابوالمناقب میں) یہ روایت موجود ہے۔

طریقِ معرفت خلیفۂ راشد

جس طرح مدعیانِ نبوت میں سے نبی برحق کا پہچاننا دشوار اور مشکل تھا (مگر جس پر اللہ تعالیٰ آسان فرمائے) اسی طرح مستعد خلافت کا پہچاننا دشوار ار مشکل ہے مگر اس حیرت سے بچنے کے لئے دو راہیں جس طرح نبی کی وجوہ معرفت اور طرقِ شناخت میں سب سے سہل دو وجہیں ہیں ایک وجہ سابق اور ایک وجہ لاحق، نبی برحق کی شناخت کی وجہ سابق یہ ہے کہ نبی سابق اپنی امت کو لاحق کی بشارت دے، اور اس کے اتباع اور اطاعت کی وصیت کرے جیسے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبی اکرم ﷺ کی بشارت دی۔ کما قال تعالیٰ: مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ، [1] (خوش خبری سنانے والا ایک رسول کی، جو آئے گا میرے بعد، اس کا نام ہے احمد)، اور اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ. [2] (کیا ان کے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے (لکھے) لوگ بنی اسرائیل کے) اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر حجت قائم کی۔

اور وجہ لاحق یہ ہے کہ پیغمبرِ آخر کی شریعت، پیغمبر سابق کی شریعت کی مصدق ہو اور معجزات اور دلائل نبوت اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ. [3] (تاکہ مرے جس کو مرنا ہے، قیامِ حجت کے بعد، اور جیوے جس کو جینا ہے قیامِ حجت کے بعد) اسی طرح خلافت خلفاء میں جب حیرت واقع ہو تو اس سے خلاصی اور رہائی کی بھی دو راہیں ہیں ایک وجہ سابق اور ایک وجہ لاحق، وجہ سابق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صراحۃً یا اشارۃً اور کنایۃً، قولاً یا فعلاً

[1] القرآن: ۲۶ (شعراء)، ۱۹۷۔

[2] القرآن: ۶۱ (صف)، ۶۔

[3] القرآن: ۸ (الانفال)، ۴۲۔

اس کا مستحق خلافت ہونا بیان فرمایا ہو۔

وجہ لاحق یہ ہے کہ خلیفہ کی ذات میں خلافت خاصہ کے اوصاف اور آثار نمایاں طور پر پائے جاتے ہوں جیسے کوئی طبیب دعویٰ کرے کہ میں طب میں مہارت تامہ رکھتا ہوں تو محض یہ دعویٰ اس کی طبابت کے ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں البتہ اگر اس سے مریضوں کا علاج کرایا جائے، اور ہر مرض تشخیص کر کے اس کے اسباب و علامات بتلائے، اور پھر ہر مرض کے مطابق اور مناسب نسخہ تجویز کرے اور پھر اس کے نسخوں سے مریض شفایاب ہوں تو اس کی طبابت کالشمس فی نصف النہار واضح اور روشن ہو جائے گی۔

نکتہ: علماء اہل سنت کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ خلفاء راشدین کی خلافت نص سے ثابت ہے، اور اس بارہ میں یہ حضرات متعدد حدیثیں نقل کرتے ہیں، اور اکثر متکلمین اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، اور یہ دونوں قول اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، جمہور متکلمین اور محدثین کی مراد یہ ہے کہ نص جلی اور صریح حکم سے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور صراحۃً کسی کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد نہیں فرمایا لیکن خلافت کو بطریق اشارہ اور بطریق رمز و کنایہ بیان فرمایا جیسا کہ حدیث: اقتدوا بالّذین بعدی ابی بکر و عمر اور حدیث: امنت به انا و ابو بکر و عمر و دخلت انا و ابو بکر و عمر .... وغیرہ وغیرہ اور اس قسم کی بے شمار احادیث ہیں جو تمام کی تمام متحد المعنی ہیں اور قدر مشترک اور مجموعی حیثیت سے بمنزلہ قطعی الدلالت ہیں۔

یہ احادیث جو اثبات خلافت کے بارہ میں مروی اور منقول ہیں فرداً فرداً اگر چہ وہ اخبار آحاد ہیں لیکن جب ان کے مجموعہ پر نظر ڈالی جائے تو ان کا قدر مشترک متواتر المعنی ہے جو بمنزلہ نص کے ہوتا ہے۔

پھر یہ کہ آیات خلافت کو احادیث خلافت سے جُدا کر کے دیکھا جائے تو وہ سب کی سب اجمال کی وجہ سے اشارۂ خفی کے درجہ میں ہیں، اور اگر اُن آیات کے ساتھ ان احادیث کو بھی ملالیا جائے کہ خلفاء کے بارہ میں آئی ہیں تو مجموعہ مل کر بمنزلہ نصِ جلی ہو جاتا ہے۔ ثقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کا تعین خلیفہ کے لئے مشورہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ خلافت کا مسئلہ منصوص نہ تھا بلکہ یہ گفتگو تمام تر محض تذکیر یعنی یاددہانی اور استحضار کے لئے تھی کہ حضور ﷺ نے اس بارہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب یک لخت نظروں کے سامنے آجائے، اور اس بارہ میں کوئی خفاء اور ابہام باقی نہ رہے۔

اثباتِ خلافتِ خلفاء راشدین بدلائلِ عقلیہ ونقلیہ

اب ہم خلافت کے ان دلائل عقلیہ کو بیان کرتے ہیں کہ جو کتاب وسنت اور ان مقدمات سے ماخوذ ہیں کہ جو اہل اسلام کے نزدیک مسلّم ہیں اور جن کی نقیض کسی محال شرعی کو مستلزم ہے، مثلاً وعدۂ الٰہی میں تخلف لازم آنا یا عصمتِ نبی میں قادح پیدا ہونا یا امتِ مرحومہ کا گمراہی پر مجتمع ہونا وغیرہ وغیرہ۔

دلیلِ اوّل

خلفاءِ راشدین کی خلافت کی پہلی دلیل وہ احادیث ہیں جو ابوابِ فتن میں مذکور ہیں جن میں قیامت تک آنے والے حوادث وفتن کی اس طرح خبر دی ہے جس طرح کوئی ان واقعات کو بچشم خود دیکھ رہا ہے، کسی چیز کو بالاجمال اور کسی چیز کو بالتفصیل بیان فرمایا، اپنے بعد خلافت کی خبر دی اور یہ بھی بتلادیا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت

رہے گی۔ اور خبر دی کہ میرے بعد اختلافات پیش آئیں گے اس وقت تم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقتداء کرنا اشارہ اس طرف تھا کہ یہ دونوں میرے بعد یکے بعد دیگر خلیفہ اور میرے قائم مقام ہوں گے، تم امور خلافت میں ان کی اقتداء کرنا، اور فتنۂ ارتداد اور قیصر و کسریٰ کی فتح اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت وغیرہ وغیرہ کی خبر دی اور بہت سے امور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان فرمائے جن سے بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات خلفاء کی خلافت، رحمت خداوندی اور برکت ایزدی ہوگی۔ ہر شخص بالبداہت اس امر کو جان سکتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں جو کارہائے نمایاں ہوئے مثلاً فتنۂ ارتداد کا پیش آنا اور قرآن کریم کا جمع ہونا اور فارس اور روم کا فتح ہونا وغیرہ وغیرہ ان امور سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ وہی امور ہیں کہ جن کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی جن کا ظہور اور اتمام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں پر ہوا، الغرض جو شخص احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا استقراء کرے گا۔ اس پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت راشدہ کو علی وجہ الکمال والتمام بیان فرمایا ہے۔

دلیلِ دوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد بہت سی رحمتوں اور برکتوں کی بشارت دی، اور بہت سے فتنوں، شرّوں کے ظاہر ہونے کی خبر دی، اور اُمت کو ان سے علیحدہ رہنے کی وصیت اور ہدایت فرمائی، اور بہت سے اشخاص کے متعلق خصوصاً ان لوگوں کے متعلق جو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نشست و برخاست رکھتے تھے ہر ایک کے حق میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے جو تمام عمران

کے لئے بمنزلہ مرآۃ اور آئینہ کے ہوئے جن کا کوئی حصر اور شمار نہیں، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق کچھ کلمات ارشاد نہ فرمائے ہوں گے جن کا شمار آپ کی ہی زندگی میں صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہوتا تھا، اور وہ لوگ آپ کے بمنزلہ وزیر اور مشیر کے تھے۔ کیا حضور ﷺ نے ان حضرات کے حق میں کچھ کلمات نہیں فرمائے ہوں گے کہ جو تمام عمر ان کے لئے مرأۃ اور آئینہ کا حکم رکھتے ہوں۔

خلفاء راشدین کی خلافت دو حال سے خالی نہیں۔ خیر تھی، یا شر تھی۔ اگر خیر تھی تو بہترین خیر تھی اور مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فِي الْإِسْلَامِ فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا (جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت جاری کی اس کے لئے اس کا بھی اجر ہے، اور دوسرا جو بھی اس پر عمل کرے گا، اس کا بھی اجر ملے گا) کا مصداق تھی اس لئے کہ قیامت تک آنے والے علماء اور صلحاء اور مجاہدین اور ساعیان خیر کی تبلیغ اور ارشاد کا اجر اور ثواب خلفاء راشدین کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوا، اور اگر ان کی خلافت شر تھی تو بدترین شر تھی، اس لئے کہ ان لوگوں نے دین محمدی کو درہم و برہم کیا، اور صفحۂ ہستی سے اصل ہدایت اور رشد کو مٹا دیا، اور امام معصوم کو مظلوم اور مقہور کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ

کیا یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد پیش آنے والے امور جزئیہ کو تو بیان فرمایا اور جو امور عظیم الشان اور موجبِ فتنہ اور باعثِ ابتلاء عظیم تھے انہیں ترک فرمایا ہو۔ پس اگر خلفاء راشدین کی خلافت خیر محض تھی تو لطف الٰہی اور رأفتِ پیغمبری کا اقتضاء یہی تھا کہ امتِ مرحومہ کو اس خیر محض کی بشارت دی جاتی، اور اگر شر محض تھی تو لطفِ ایزدی اور شفقتِ نبوی کا اقتضاء یہی تھا کہ امت مرحومہ کو

اس شر سے خبر دی جاتی اور اس فتنہ سے آگاہ کیا جاتا تاکہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوتی اور وہ یہ جان لیتے کہ فلاں فلاں اشخاص مستحقِ خلافت نہیں بلکہ مستحقِ خلافت دوسرے اشخاص ہیں۔

دلیلِ سوم

جس شخص نے فن مغازی کا تتبع کیا ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ آنحضرت ﷺ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ میں کسی نہ کسی کو اپنی جگہ مقرر کر کے جاتے تو اب کیوں کر ممکن ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہمیشہ کے لئے دنیا سے تشریف لے جائیں تو اپنی سیرت مستمرہ کے مطابق کسی کو اپنا جانشین کر کے نہ جائیں، یہ امر حضور پُر نور ﷺ کی شان رأفت و رحمت سے بہت بعید ہے۔

دلیلِ چہارم

حق جلّ شانہٗ نے دفعِ مفاسد اور اصلاحِ عالم کے لئے آنحضرت ﷺ کو شریعت کاملہ دے کر مبعوث فرمایا جس میں اگر بچشم عبرت و دیدۂ بصیرت غور کیا جائے تو اس میں شک نہیں رہ سکتا کہ آنحضرت ﷺ نے ان تمام امور کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جو انسان کو حضیض جسمانیت سے نکال کر اوج ملکیت تک پہنچا سکیں، پھر ساتھ ہی ساتھ مکارمِ اخلاق اور آدابِ معیشت اور تدبیر منزل اور سیاستِ ملکیہ اور مدنیہ کو بہ تشریح بیان فرمایا۔ غرض یہ کہ کوئی امر نازیبا ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کی ممانعت نہ کی ہو۔ اور کوئی امر زیبا ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کی تعلیم و تلقین اور تحریص و ترغیب نہ فرمائی ہو۔ ایسے حکیم اور دانا اور مشفق اور

مہربان کی نسبت عقل یہ تجویز نہیں کرسکتی کہ وہ اپنی امت کو ایسے خطرے میں ڈال دے کہ جس سے خلاصی اور رہائی کی کوئی تدبیر نہ ہو۔ حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ غزوۂ تبوک کے بعد آنحضرت ﷺ نے قیصر روم اور رومیوں کو ڈرا کر ان کی قوت غضبیہ کو مشتعل کر دیا تھا، اور ادھر کسریٰ کے نام دعوتِ اسلام کا والا نامہ تحریر فرمایا تھا جس سے اس کی آتش غیرت مشتعل ہو رہی تھی، خود عرب میں مدعیانِ نبوت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے اسلام کے مٹانے پر تلے ہوئے تھے اور بجائے اسلامی تعلیمات کے اپنی کفریات اور ہزلیات کو رائج کرنا چاہتے تھے، نیز ابھی قرآن مجید بھی بشکل مصحف جمع نہ ہوا تھا پس ایسے حالات میں بدون تدابیر اور اصلاح اور نصب خلیفہ اور بغیر اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے آنحضرت ﷺ دنیا سے کیسے تشریف لے جاسکتے تھے؟۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جو شریعت میں نہیں بیان کئے گئے، اور مجتہدین پر چھوڑے گئے، ممکن ہے کہ مسئلہ خلافت بھی انہیں مسائل میں سے ہو جو قیاس مجتہدین پر چھوڑ دئے گئے ہیں۔

جواب

یہ ہے کہ احادیث کے تتبع اور استقراء سے یہ امر واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قریب الوقوع حوادث اور واقعات کو بیان فرمایا، اور جو امور بعید اور نادر الوقوع تھے ان سے تعرض نہیں فرمایا تا کہ شکوک اور شبہات اور اختلاف کا دروازہ نہ کھلے، یہ عین رحمت الٰہی تھی کہ اس قسم کے واقعات کو قیاس مجتہدین پر چھوڑ دیا گیا، اور یہ امر بدیہی

ہے کہ مسئلہ خلافت بعید الوقوع نہیں بلکہ قریب الوقوع ہے، لہٰذا اُن احکام میں جو قیاس مجتہدین پر چھوڑ دیئے گئے ہیں، اور مسئلہ خلافت میں بَین فرق ہے۔

دلیلِ پنجم

حق جل شانہٗ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت اور رسالت کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ کا دین اور آپ کی شریعت کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہو۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ.[1] (وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول تا کہ راہ کی سوجھ دے، اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے۔ (اگرچہ بُرا مانیں شرک کرنے والے)۔

اور احادیث سے بتواتر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء بعثت ہی میں یہ خبر دی تھی کہ روم اور فارس فتح ہوں گے اور بھی مختلف فتوحات کی بشارتیں دی، اور ظاہر ہے کہ ایسی فتوحات بدون نصبِ خلیفہ اور تقرر امام ممکن نہیں بلکہ حضور پُر نور ﷺ نے علاوہ فتوحات کے طرح طرح کے فتنوں کے ظہور کی بھی خبر دی مثلاً فتنۂ ارتداد وغیرہ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے فتنوں کا دفعیہ اور انسداد بدون نصبِ خلیفہ ممکن نہیں بلکہ یہ کام ہر خلیفہ کا بھی نہیں بلکہ خاص اس شخص کا کام ہے کہ جسے تدبیر غیبی متعین کرے اور تائید آسمانی اس کی معین اور مددگار ہو۔

پس جس ذات بابرکات کی شان یہ ہو کہ: حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○.[2] (حریص ہے تمہاری بھلائی پر، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے)۔ بمقتضائے شفقت و رأفت اپنی امت کو خیر سے نزدیک کرنے اور شر

[1] القرآن: ۶۱ (الصف)، ۹۔

[2] القرآن: ۹ (توبہ)، ۱۲۸۔

سے دُور کرنے کے لئے کسی کو اپنا جانشین بنائے بغیر دنیا سے رحلت کر جائے نہایت بعید ہے۔ حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ایک قوم کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.[1]

(جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ مقرر کرو ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں)۔

اگر ان آیات میں غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ دشمنانِ خدا سے مقابلہ اور مقاتلہ ابتداءً یا دفعًا بدون نصب خلیفہ ممکن نہیں، پس ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو اشارۃً یا کنایۃً ضرور خلیفہ مقرر فرمایا ہوگا اور مرض الوفات میں جو آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: یأبی اللّٰہ والمؤمنون الا ابا بکر ...... یعنی اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں بجز ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور کسی کی خلافت نہیں چاہتے۔ حضور ﷺ پُرنور کا یہ ارشاد کفالتِ الٰہیہ پر محمول ہے کہ کفالتِ خداوندی پر اعتماد کر کے صریح طور پر تعیین اور نامزدگی کو ترک فرمایا کہ قضاء وقدر ہی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسند خلافت پر بٹھلا دے گی۔

محالاتِ پنجگانہ

اب ہم ان پانچ دلائل کے بعد یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو خلافت راشدہ اور خلافت حقہ نہ مانا جائے تو پانچ محال لازم آئیں گے۔

یہ امر توبہ تواتر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے، اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور پھر

[1] القرآن ۲: (بقرہ) ۲۴۶۔

ان کے بعد عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ یہ تینوں حضرات بادشاہانِ روئے زمین تھے اور فرمانروائی کرتے تھے، اور تمام لوگ حقِ رعیت بجالاتے تھے اور خلیفۂ رسول اللہ کہہ کر پکارے جاتے تھے جو خلافت کا ایک جز ہے۔ ان تینوں حضرات کی فرمانروائی میں کسی موافق ومخالف کو اختلاف نہیں، سُنّی اور شیعہ کی گفتگو فقط اس امر میں ہے کہ ان کی فرمانروائی حق تھی یا باطل، اور یہ لوگ اپنی فرماں روائی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع تھے یا عاصی، اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے ان کی خلافت منصوص تھی یا غیر منصوص، یا ان کے علاوہ کسی اور شخص کی خلافت منصوص تھی یا کسی کی بھی خلافت منصوص نہ تھی......!

پس اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان حضرات کی خلافت کے بارہ میں کوئی نص یا اشارہ اُمت کو عطا کیا تھا، اور اسی نص اور اشارہ کے مطابق یہ حضرات خلیفہ ہوئے تو فہو عین المراد یہی ہمارا عین مدعا ہے۔ اور اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی اور شخص کی خلافت کی نص ارشاد فرمائی، اور یہ تینوں اشخاص اپنی سینہ زوری اور چیرہ دستی سے زبردستی خلیفہ بن گئے، اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس شخص کی خلافت کے متعلق نص فرمائی تھی اس کو زبردستی حق خلافت سے محروم کیا اور خود نص شارع کے عاصی اور نافرمان بنے تو اس میں پانچ قباحتیں لازم آتی ہیں جن کا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے واقع ہونا ناممکن اور محال ہے۔

اوّل: کلامِ خداوندی اور کلام نبوی میں تدلیس یعنی عیب پوشی کا ہونا لازم آتا ہے۔

دوم: ان تمام احادیثِ متواترہ کا کاذب اور غلط ہونا لازم آتا ہے کہ جن کو ثقات اور اثبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل اور متواتر روایت کرتے چلے آئے ہیں۔

سوم: اُمتِ مرحومہ کا ضلالت اور گمراہی پر مجتمع اور متفق ہونا لازم آتا ہے۔

چہارم: احکامِ شریعت سے امن کا ارتفاع لازم آتا ہے۔ یعنی یہ لازم آئے گا کہ احکام شریعت ساقط الاعتبار ہو جائیں، اور کسی پر کوئی شریعت حجت قائم نہ ہو سکے۔

پنجم: صریح عقل کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اب اس اجمال کی تفصیل سنیئے۔

محالِ اوّل (تدلیس)

در کلامِ خداوندی و کلامِ نبوی

خلفاء ثلاثہ کے عاصی ہونے کی صورت میں کلامِ الٰہی میں اس طرح تدلیس لازم آئی ہے کہ قرآنِ کریم صحابۂ کرام اور مہاجرین اور انصار اور بدریین اور اہلِ بیعت الرضوان کی مدح اور ثناء سے بھرا پڑا ہے جن میں خلفاء ثلاثہ بھی داخل ہیں، اور خود خلفاء ثلاثہ کے حق میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں جن کی تفصیل ازالۃ الخفاء میں مذکور ہے،۔ پس اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو بارۂ خلافت غاصب و جابر ہوتے تو ان کے حق میں یہ آیات مدح اور آیات بشارت جنت کبھی نازل نہ ہوتیں۔ معلوم ہوا کہ ان کی خلافت راشدہ تھی کیوں کہ ایسے غاصب اور جابر شخص کی مدح کرنا جو فساد عام اور شرِّ تام کا مبداء ہو یہی تدلیس عیب پوشی ہے، اور حق جل شانہ کی ذات پاک تدلیس سے پاک اور منزّہ ہے، اللہ تعالیٰ کو چاہیئے تھا کہ ان کے غصب اور ظلم کو ظاہر فرماتے مگر بجائے اس کے مدح میں آیتیں نازل فرمائیں اور خلفاء ثلاثہ کے غاصب ہونے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تدلیس اس طرح لازم آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں ان حضرات کو جنت کی بشارت دی جس کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک کثیر جماعت نے روایت کیا۔

پس اگر یہ حضرات غاصب، جابر، خائن اور ظالم ہوتے تو ہرگز ہرگز جنت کی بشارت کے مستحق نہ ہوتے، اور معاذ اللہ پیغمبر خدا کا کسی غاصب اور جابر کو جنت کی

بشارت دینا یہ تدلیس ہے۔ یہ تو شیخین کا حال تھا، اب رہے باقی صحابہ سو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا تو انہوں نے شیخین کی اعانت یا سکوت کیا۔ اگر اعانت کی تو لازم آئے گا کہ نعوذ باللہ وہ سب ہی ظالم اور فاسق تھے کیوں کہ ظالم کی اعانت بھی ظلم ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ظالمین اور ان کے معاونین کے حق میں فرمائے گا۔ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ۔ [1] (جمع کرو گناہ گاروں کو، اور ان کے جوڑوں کو، اور انہیں جن کو وہ پوجتے تھے)۔ اور اگر سکوت فرمایا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں بلا کسی خوف کے سکوت کیا، یا کسی خوف اور ڈر کے مارے سکوت کیا، اگر بلا خوف اور بلا کسی وجہ کے سکوت کیا تو نعوذ باللہ سب کا عاصی ہونا لازم آتا ہے، اور اگر کسی خوف اور کسی وجہ کی بناء پر سکوت کیا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ سب نے سکوت کیا یا اکثر نے سکوت کیا یا بعض اقل نے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یا اکثر نے بوجہ خوف کے سکوت کیا، تو یہ ناممکن ہے اس لئے کہ اگر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کمر ہمت باندھتے تو شیخین کی خلافت بھی قائم نہ ہوتی، مہاجرین اور انصار اگر شیخین کے معین اور مددگار نہ ہوتے تو شیخین کیسے خلیفہ ہوتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خوف اقل اور بعض کو لاحق ہوا تھا تب بھی اکثر کا عاصی ہونا لازم آئے گا کہ اقل کے خوف سے اکثر خائف ہو گئے، اور ڈر کے مارے غاصب اور ظالم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

[1] القرآن: ۳۷ (صافات) ۲۲۔

محالِ دوم۔ کذبِ متواتراتِ مرویہ از صادق ومصدوق

کذبِ متواترات اس طرح لازم آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نے بہت سی احادیث میں خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا ذکر فرمایا ہے، بعض میں اشارۃً اور بعض میں صراحۃً، اور بعض میں مجملاً اور بعض میں مفصلاً اوران احادیث میں سے ہر حدیث اگرچہ خبر واحد ہے مگر ان کو جمع کیا جائے تو وہ غیر محصور اور متفق المعنی ہیں، سب کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ تینوں حضرات اپنے اپنے وقت میں خلیفہ ہوں گے اور ان کی خلافت حق ہوگی۔

محالِ سوم۔ اجماعِ امتِ مرحومہ برضلالت

خلفاء ثلاثہ کے غاصب ہونے کی صورت میں اُمت مرحومہ کا گمراہی پر مجتمع ہونا اس طرح لازم آتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر اجماع منعقد ہوا، تمام مسلمان ان کو امیر المؤمنین اور خلیفۂ رسول اللہ کے لقب سے پکارتے تھے، سب نے دل وجان سے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اوران کی اطاعت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے پس اگر ان حضرات کی خلافت برحق تھی تو فہو المقصود اور اگر معاذ اللہ ان کی خلافت حق نہ تھی تو ان تمام مہاجرین اور انصار وتابعین اخیار کا گمراہی پر مجتمع اور متفق ہونا لازم آتا ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو خیر الامم فرمایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.[1]

(تم بہترین امت ہو، لوگوں کی طرف اس لئے بھیجے گئے ہو کہ انہیں نیکی کا حکم دے، اور بُرائی سے منع کرے)۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم. (سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر وہ زمانہ جو میرے زمانہ سے ملا ہوا ہے)۔ الحدیث. اور فرمایا: لا تجتمع امتی علی الضلالۃ.[2] (میری اُمت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی)۔

خلافت خاصہ کے بارہ میں کل اہلِ اسلام کے دو قول ہیں۔ کہ وہ خلیفہ خاص صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے یا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حق ان دونوں قولوں سے باہر نہیں مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی منازعت نہیں کی، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ ترک منازعت دو حال سے خالی نہیں یا تو آپ نے کسی خوف اور ڈر کی وجہ سے منازعت کو ترک کیا، تقیہ اور خوف کی شق تو باطل ہے اس لئے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عاجز نہ تھے، اسد اللہ الغالب تھے، بنی ہاشم سب آپ کے ساتھ تھے۔ ابو سفیان جو بنی عبد شمس کے رئیس اور سردار تھے وہ بھی آپ کے موافق تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، حضرت سیدہ زہراء

---

[1] القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۱۰۔

[2] ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـ م: ۳۲ھ،

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـ م: ۳۶ھ۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـ م: ۳۲ھ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی زوجیت میں تھیں، نبی اکرم ﷺ کے ابن عم اور داماد ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ اگر ایسے وقت میں اپنے لئے نص خلافت پیش کرتے تو سب کے سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔ ان حالات میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

اور اگر بلا تقیہ اور بلا کسی وجہ کے ترک منازعت کی تو لازم آئے گا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کی اور اُمت کے حق میں خیانت کی اور عاصی اور خائن خلیفہ اور امام نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھا کہ اپنی خلافت کے بارہ میں نص نبوی کو ظاہر فرماتے اور غاصب اور مسلط کو اس سے الزام دیتے۔

بالفاظ دیگر: یہ امر بتواتر ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بارہا علی رؤس الاشہاد برسر منبر یہ بیان فرمایا کہ افضل امت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پس اگر ان کا یہ بیان ان کے مافی الضمیر کے مطابق تھا تو ہمارا مدعا اور مطلوب حاصل ہوا، اور یہی حق ہے اور اگر یہ بیان مافی الضمیر کے خلاف تھا تو دو حال سے خالی نہیں، اگر بلا ضرورت اور بلا تقیہ تھا تو بے ضرورت کسی غاصب اور ظالم کی مدح کرنا، اور پھر مدح میں مبالغہ کرنا یہ تدلیس اور خیانت ہے بلکہ غایت درجہ کی کمزوری اور بزدلی ہے، اور تدلیس اور خائن اور بزدل آدمی لائق امامت اور مستحق خلافت نہیں، اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان تقیہ، یعنی خوف اور ڈر کے بناء پر تھا تو درصورت خلافت اور بادشاہت خوف اور ڈر کے کیا معنی جو شخص خلیفہ اور بادشاہ ہونے کے بعد بھی مردوں سے ڈرتا ہو اس سے زیادہ کون بزدل ہوگا؟۔

محالِ چہارم ۔ ارتفاعِ امن از احکامِ شرع

شیخین کے غاصب اور ظالم ہونے کی صورت میں ایک محال یہ لازم آئے گا کہ احکام شریعت سے امن اٹھ جائے گا اس لئے کہ شیخین تو غاصب اور ظالم ہونے کی وجہ سے فاسق ٹھہرتے ہیں اور باقی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ اُن کے معین اور مددگار تھے اس لئے وہ بھی فاسق ٹھہرتے ہیں کیوں کہ غاصب اور خائن کا معاون کا بھی ظالم اور فاسق ہی ہوتا ہے، اور معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی فاسق ہونا لازم آتا ہے کیوں کہ وہ بھی انہی ظالموں کے ساتھ رہے، اور اگر سکوت بھی کیا تب بھی انہی کی اعانت ہوئی، اور جب یہ سب گروہ فاسق ٹھہرا تو قرآن اور حدیث پر کیسے اطمینان کیا جائے۔ قرآن کریم خلفاء ثلاثہ نے جمع کیا، اور تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کی اعانت اور موافقت کی، اور احادیث نبویہ اور دین کے احکام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کے ذریعہ امت تک پہنچے تو جو دین فاسقوں اور ظالموں کے ذریعہ پہنچے اس پر کیسے اطمینان کیا جائے، اور جب قرآن اور حدیث اور ساری شریعت مشکوک ہوگئی تو امت کے پاس کیا چیز باقی رہی۔؟

محالِ پنجم ۔ مخالفتِ عقلِ صریح

خلفاء ثلاثہ کے غاصب اور ظالم ہونے کی صورت میں عقل صریح کی مخالفت اس طرح لازم آتی ہے کہ جب خلفاء ثلاثہ اور اُن کے معاونین سب کے سب غاصب اور ظالم اور منافق ٹھہرے، اور سب کے سب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام سے برگشتہ ہوگئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ سعادت میں جو کچھ جہاد وقتال کیا وہ صرف اسلام کی ظاہری صورت

کے لئے تھا کہ اس وقت لوگ ظاہراً مسلمان ہوگئے۔ قطع نظر اس سے کہ ایسے اسلام سے آخرت کا کوئی نفع اور فائدہ مرتب ہو دنیا کا بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو، اور دنیاوی فائدہ یہ تھا کہ عالم کی اصلاح ہوتی اور عدل وانصاف کا دورہ ہوتا مگر بجائے عدل وانصاف کے ایک غاصبانہ اور جابرانہ حکومت قائم ہوگئی کیا عقل اس بات کی شہادت دے سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس قدر مجاہدہ صرف اس لئے کیا تھا کہ لوگ اسلام میں ایک دروازے سے داخل ہوں، اور دوسرے دروازہ سے نکل جائیں، اور آخرت کا کوئی نفع اور فائدہ اس پر مرتب نہ ہو، اور اسلام میں ایک جابر اور غاصب حکومت قائم ہوجائے جو کہ شر وفساد میں جاہلیت سے بھی بڑھ کر ہو۔ حاشا وکلا دین اسلام ایسے نتائج سے پاک ہے عقل سلیم اس قسم کی خرافات کو ایک لمحہ کے لئے بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

حقیقتِ فضل۔ اور فضلِ کلی اور فضلِ جزئی کا فرق

فضل: لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں، اور عرف میں دو چیزوں میں سے ایک چیز کا دوسری چیز پر وصف مشترک میں زائد ہونے کا نام فضل ہے مثلاً دو شخص عالم ہیں اور مطلق صفت علم دونوں میں پائی جاتی ہے مگر ایک میں صفت علم دوسرے سے زیادہ پائی جاتی ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ یہ شخص علم میں دوسرے سے افضل ہے اس لئے کہ مطلق صفت دونوں میں مشترک ہے مگر ایک شخص اس وصف مشترک میں دوسرے سے زیادہ ہے۔ پس اس وصف مشترک میں زیادتی کا نام فضل ہے، اور جو شخص اس فضل کے ساتھ موصوف ہوگا وہ افضل ہوگا۔

اور فضلِ کلی اس زیادتی کا نام ہے کہ جو جنس یا نوع کی صفات مخصوصہ اور اغراضِ مقصودہ کے اعتبار سے ہو، اور جو زیادتی اوصاف غیر مقصودہ اور امور عارضہ کی وجہ سے ہو وہ فضل جزئی ہے مثلاً طبقۂ ملوک اور سلاطین میں فضل کلی کا معیار، تدبیر ملکی اور حسنِ سیاست کی زیادتی ہے جو بادشاہ دوسرے بادشاہ سے تدبیر ملکی حکمرانی اور عدل عمرانی میں زیادہ حاذق اور ماہر ہوگا وہ دوسرے سے افضل ہوگا، اور اسی کو فضل کلی حاصل ہوگا۔

اور طبقۂ فقہاء میں فضل کلی اس شخص کو حاصل ہوگا کہ جو فقہ، استنباط، اور اجتہاد میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہوگا، اور طبقۂ محدثین میں فضل کلی اس شخص کو حاصل ہوگا کہ جو حفظ اور ضبط اور ملکۂ استحضار میں فوقیت رکھتا ہوگا، اور زمرۂ زرگراں اور آہن گراں میں ان کی اپنی اپنی صفت کے اعتبار سے زیادتی اور فوقیت کا اعتبار ہوگا، اور اگر ان طبقات میں کسی کو ایسی فضیلت حاصل ہو کہ جس کا اصل علم اور اصل صفت سے تعلق نہ مثلاً کوئی بادشاہ یا عالم یا کاریگر دوسرے بادشاہ یا عالم یا کاریگر سے شرافت نسبی یا حسن و جمال میں زیادہ ہو تو یہ فضیلت، فضیلت جزئی ہوگی اس لئے کہ یہ فضیلت بادشاہت، علم و معرفت اور صنعت کے اعتبار اور حیثیت سے نہیں بلکہ جنس اور نوع کے اوصاف غیر مقصودہ کے اعتبار سے ہے۔

پس جس طرح بادشاہ کا افضل ترین وزیر وہ شخص ہے کہ جو تدبیر ملکی اور سیاستِ مدنیہ اور عزل و نصب اور انتظامِ مملکت میں بادشاہ کا نمونہ ہو، اور امور سلطنت میں بادشاہ کا دست و بازو ہو، بادشاہ کے اغراض و مقاصد اس کے ہاتھ سے انجام پاتے ہوں، اسی طرح نبی برحق کا افضل ترین خلیفہ وہ ہے جو کمالات نبوت میں نبی کا نمونہ اور اس کی صفات فاضلہ کا آئینہ ہو، اور نبی کا دست و بازو اور اس کا وجود دین کی عزت اور تقویت کا باعث ہو، اور کارخانہ ملّت اور امت کے انتظام اور انصرام میں نبی کا شریک حال ہو اور ملت کی نشر و اشاعت میں نبی اور اُمت کے درمیان واسطہ ہو، اور

اُمت کی تعلیم وتربیت منہاجِ نبوت پر کرے۔ غرض یہ کہ جو خلیفہ صفات نبوت اور کمالات رسالت کی جہت سے نبی اور رسول کے زیادہ مشابہ اور قریب ہوگا اس کو فضیلت کلیہ حاصل ہوگی اور اگر کوئی خلیفہ ایسے اوصاف اور کمالات میں زیادہ ہوا کہ جو اصل نبوت کے لئے لازم نہیں جیسے حسن صورت اور قوتِ بطش اور عُلوِّ نسب، وغیر ذلک تو یہ زیادتی فضیلت کلیہ نہ ہوگی بلکہ فضیلت جزئیہ ہوگی۔

معیارِ افضلیت

حق جلّ شانہٗ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک مرتبہ پر نہیں رکھا بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ادلۂ شرعیہ کے تتبع اور استقرا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت کا معیار دو امر ہیں، اول سوابقِ اسلامیہ، دوم کمالاتِ نفسانیہ، جیسے صدیقیت و شہیدیت وحواریت۔ اور آیات واحادیث سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ حسن و جمال اور کثرت مال اور حسب ونسب وغیرہ وغیرہ ان امور کو فضیلت معتبرہ عند الشرع میں دخل نہیں کما قال تعالیٰ:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ [1]

(اور تمہارے مال، اور تمہاری اولاد وہ نہیں کہ نزدیک کردے ہمارے پاس تمہارا درجہ، پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا)۔

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ [2]

[1] القرآن ۳۴ (سبا)، ۳۷۔

[2] القرآن ۴۹ (حجرات)، ۱۳۔

(اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تا کہ آپس کی پہچان ہو۔ تحقیق عزت اسی کی اللہ کے ہاں بڑی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ اَمَلًا.[1]

(مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں، اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلہ، اور بہتر ہے توقع)۔

سوابق اسلامیہ سے مُراد یہ ہے کہ ایمان اور اسلام اور جہاد اور ہجرت اور دین کی نصرت اور اعانت میں اوّل اور سابق ہونا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.[2]

(اور جو لوگ قدیم ہیں، سب سے پہلے ہجرت کرنے والے، اور مدد کرنے والے، اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ راضی ہوا ان سے، اور وہ راضی ہوئے اس سے، اور تیار کر رکھے ہیں ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، رہا کریں انہی میں ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی کامیابی)۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ہجرت اور نصرت میں گوئے سبقت لے جائے اور ایمان اور اسلام کے میدان امتحان میں جو نمبر اوّل آئے وہ افضل ہے۔ سوابق

[1] القرآن: ۱۸ (الکہف)، ۴۶۔

[2] القرآن: ۹ (توبہ)، ۱۰۰۔

اسلامیہ کے متعلق حق جل شانہٗ کا ایک اور صریح ارشاد ہے وہ یہ ہے:

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا. دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا.[1]

(برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں، اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے، اللہ نے بڑھا دیا درجہ اپنے جان اور مال سے لڑنے والوں کا بیٹھ رہنے والوں پر، اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا، اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں، جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہے مہربان، بخشنے والا)۔

نیز حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ

[1] القرآن: ۴ (النساء) ۹۵۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. [1]

(اور تم کو کیا ہوا کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، اور اللہ تعالیٰ ہی کو بچ رہتی ہر شئے آسمانوں میں اور زمین میں، برابر نہیں تم میں سے جس نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے، اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان لوگوں سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں، اور اللہ تعالیٰ نے سب سے وعدہ کیا خوبی کا، اور اللہ تعالیٰ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو)۔

یہ دونوں آیتیں اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک مرتبہ پر نہ تھے بلکہ بعض بعض سے افضل تھے، اور مدار افضلیت جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ پر ہے۔ پس جو لوگ ابتدائے اسلام سے تا زیست جان و دل سے شریکِ جہاد رہے، اور مال سے دین اسلام کے معین اور مددگار رہے، وہی سردارِ اُمت تھے اور منزلت علیا رکھتے تھے، اور وہی افضل تھے۔

فائدہ: آخر آیت میں حق جل شانہٗ کے اس ارشاد: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى. [2] (اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا بھلائی کا) سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے وہ طبقہ کہ جس نے پہلے جہاد و قتال کیا اور خدا کی راہ میں فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اس طبقہ سے افضل ہے، جس نے بعد میں جہاد کیا اور بعد میں خرچ کیا اور دوسرا طبقہ اس سے پہلے طبقہ سے کم درجہ ہے لیکن وعدۂ حسنیٰ (جنت) کا دونوں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خواہ قدیم الاسلام

[1] القرآن: ۵۷ (الحدید)، ۱۰۔

[2] القرآن: ۴ (النساء)، ۹۵۔

ہوں یا متاخر الاسلام سب کے سب جنتی ہیں، اور سب سے وعدۂ حسنیٰ کا ہے اور جس سے حق جل شانہٗ حسنیٰ کا وعدہ فرمائیں وہ کبھی جہنم میں نہیں داخل ہوسکتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ.[1]

(جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی، وہ اس سے دُور رہیں گے، نہیں سنیں گے اس کی آہٹ، اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے، نہ غم ہوگا ان کو اس بڑی گھبراہٹ میں، اور لینے آئیں گے ان کو فرشتے۔ آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا)۔

نیز حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ.[2]

(اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے، اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی، اور ان کی مدد کی، وہی ہیں سچے

---

[1] القرآن: ۲۱ (الانبیاء) ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳۔

[2] القرآن: ۸ (الانفال) ۷۴، ۷۵۔

مسلمان، ان کے لئے بخشش ہے، اور روزی عزت کی، اور جو ایمان لائے اس کے بعد، اور گھر چھوڑے اور لڑے تمہارے ساتھ ہو کر، سو وہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں)۔

پس اس آیت میں لفظ فَاُولٰئِکَ مِنْکُمْ اس بات پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ ہجرت اور جہاد اور انفاق مال میں مقدم تھے وہ دوسروں سے زیادہ فضیلت رکھتے تھے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ کتاب اللہ نے دو صفتوں کو معیار افضلیت قرار دیا ہے، ایک سوابق اسلامیہ، دوم کمالات نفسانیہ جن سے حق جل شانہٗ کا قربِ خاص حاصل ہو، صدیقیت اور شہیدیت سے اسی طرف اشارہ ہے اور سنت سنیہ اور احادیث نبویہ کے استقراء اور تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معیار فضیلت چار خصلتیں ہیں۔

اوّل: اوصافِ قرب معنوی یعنی امّت کے اعلیٰ طبقہ سے ہونا یعنی صدیق یا محدَّث من اللہ یا شہید ہونا۔

دوم: سوابق اسلامیہ یعنی آنحضرت ﷺ کی جان و مال سے مدد کرنا، اور بوقت غربت اسلام کی ترویج اور اشاعت میں جدّ و جہد کرنا اور اس کی ذاتی عزت و وجاہت سے اسلام کو عزت حاصل ہونا۔

سوم: کارہائے مطلوبۂ نبوت اور مقاصد ملت اس کے ہاتھوں سے انجام پانا۔

چہارم: قیامت میں درجات عالیہ کا اس کو حاصل ہونا اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اور چند اوصاف زائد کئے ہیں از انجملہ علم بکتاب و سنت ہے کہ

ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ علم والے تھے۔ دوم حزم اور احتیاط اور حسن سیاست ہے۔ سوم قوت وامانت جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ [1] (البتہ بہتر نوکر جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو، امانت دار)۔ نہ کسی سے ڈرنا اور نہ کسی کی ملامت کی پرواہ کرنا اور نہ کسی کی رعایت کرنا، چہارم زہد اور ورع کہ بیت المال کی اس درجہ کڑی نگرانی کہ شبہات سے بھی اجتناب اور پرہیز ہو۔ پنجم اخلاق مرضیہ غرض یہ کہ کسی نے مقام فضیلت میں کمالات کسلیہ کو ذکر کیا اور کسی نے کمالاتِ جبلیہ اور نظریہ کو ذکر کیا کسی نے کوئی کمال ذکر کیا اور کسی نے کوئی اور کمال ذکر کیا اور حق یہ ہے کہ ان کی ذات ان تمام کمالات کی جامع تھی۔ اور یہ تمام صفات وکمالات جو احادیث نبویہ اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اسباب فضیلت قرار دیئے گئے انہیں دو صفتوں کی شرح اور تفصیل ہیں جن کو قرآن کریم نے سبب افضلیت قرار دیا ہے یعنی (۱) کمالات نفسانیہ (۲) اور سوابق اسلامیہ جس قدر اوصاف دربارۂ افضلیت احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مذکور ہیں وہ سب کے سب انہی دو صفتوں کی طرف راجع ہیں کہ قرآن کریم میں مذکورہ ہیں فرق فقط اجمال اور تفصیل کا ہے۔

فائدہ: فضائل دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ کہ جو انسان کی افضلیت کا باعث ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ سے انبیاءِ کرام کے ساتھ خاص تشبہ حاصل ہوتا ہے، اور بارگاہِ خداوندی میں قرب خاص کا ذریعہ ہوتے ہیں، اور قسم دوم وہ فضائل ہیں کہ جو بذاتہ شریعت میں معتبر نہیں جیسا کہ نسب اور مصاہرت، قوت اور شجاعت اور فصاحت اور وجاہت، کیوں کہ یہ اوصاف مسلمان اور متقی اور فاسق وفاجر سب کو یکساں حاصل ہوتے ہیں پس یہ اوصاف

[1] القرآن: ۲۸ (القصص)، ۲۶۔

اگر چہ فی حد ذاتہ معتبر نہیں لیکن اگر یہ فضائل، قسم اوّل کے فضائل کے ساتھ حاصل ہوں تو مزید زیادتی رونق کا باعث بن جاتے ہیں، اور بعض اوقات اس قسم کے فضائل کو فضائل معتبرہ میں اس لئے داخل کرلیا جاتا ہے کہ یہ فضائل قسمِ اوّل کے فضائل کا کہ جو دراصل فضائل ہیں ان کے اکتساب اور حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں ورنہ محض قسم دوم کے فضائل شریعت میں انسان کو بالا اور برتر بنانے کے لئے کافی نہیں اور ظاہر کہ بدونِ عقل وعلم کے محض نسب اور مصاہرۃ انسان کو کیسے بلند اور برتر بنا سکتی ہے؟۔

اثباتِ افضلیتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

افضلیت کے اس معیار کو سمجھ لینے کے بعد شیخین کی افضلیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

❶ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سوابق اسلامیہ میں سب سے سابق اور اول، ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء بعثت سے جان و مال سے رسالت مآب کی کی مدد کی اور مکہ کی زندگی میں بارہا کفار مکہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور حفاظت کے لئے لڑے بھی۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا شخص ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جس نے اپنے مال اور جان دونوں سے میری مدد کی"۔

اور حدیث میں ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر اس کے دو وزیر تھے اہل آسمان سے اور دو وزیر تھے اہل زمین سے، سو میرے دو وزیر آسمان والوں سے جبریل اور میکائل ہیں، اور اہل زمین سے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے وزیر ہیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور میں انہی دو حضرات سے مشورہ کرتے تھے اور آیۃ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ. ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے حق میں بمنزلہ سمع و بصر کے ہیں، اور علیٰ ہذا ہجرت سے قبل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کفار مکہ سے جہاد وقتال کرنا روایات کثیرہ سے ثابت ہے، اور آپ کے مشرف باسلام ہونے سے جو اسلام کو قوت، اور عزت اور غلبہ حاصل ہوا وہ اظہر من الشمس ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے پر قدرت ہوئی، ورنہ اس سے پہلے مسلمان مسجد میں علانیہ طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔

غرض یہ کہ ان دونوں حضرات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ومال سے اعانت کرنا اور غربت اور بے کسی کے وقت میں اسلام کی ترویج اور ان کے وجود سے اسلام کو عزت اور غلبہ کا حاصل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

❷ اور کمالاتِ نفسانیہ میں شیخین کا مقربین اور سابقین سے ہونا اس طرح ثابت ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ نبوت میں صدیق کے لقب سے ملقب ہوئے اور یہ فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بناتا مگر وہ میرے بہترین بھائی اور دوست ہیں۔ معلوم ہوا کہ خلّت کے بعد جو درجہ اور مقام ہوسکتا ہے وہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھا۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ محدّث اور مُلہم کہلائے اور پھر شہید ہوئے اور حسبِ خداوندی:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔[1]

(اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی فرماں برداری کرے گا، تو ایسے اشخاص بھی ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔

[1] القرآن ۴ (النساء) ۶۹۔

یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین)۔

اہلِ انعام کے طبقۂ علیاء یعنی صدیقین اور شہدائے کے زمرہ میں داخل ہوئے، اور سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو اس طرح عرض و معروض کرنے کا حکم دیا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ. صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. [1] (بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا، رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے)۔ جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ جن لوگوں کے طریقہ پر چلنے کا حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ عند اللہ افضل تھے ورنہ مفضول اور مساوی کی طلب سراسر غیر معقول ہے، اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں داخل ہیں اور گزشتہ آیت نے یہ متعین کر دیا کہ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے نبیین اور صدیقین اور شہداء مراد ہیں۔ اور احادیثِ متواترہ نے یہ متعین کر دیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما امت کے طبقۂ علیا یعنی مقربین اور سابقین میں تھے اس لئے کہ آیات اور احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ اُمت تین گروہ میں منقسم ہے۔ اول مقربین اور سابقین، دوم ابرار و مقتصدین، سوم ظالم لنفسہ مبین، اور مقربین اور سابقین اُمت کے سر دفتر ہیں اور صدیقین اور شہداء منجملہ مقربین و سابقین ہیں اور شیخین کا صدیقین اور شہداء میں سے ہونا مسلّم ہے، اسی وجہ سے حسن بصری اور ابو العالیہ سے صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ صراط مستقیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ مراد ہے، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ [2] و صالح المؤمنین کی تفسیر شیخین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرتے تھے

---

[1] القرآن: ۱ (فاتحہ)، ۶، ۷۔

[2] ابی بن کعب۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ متوفی: ۱۹ھ۔

اور شیخین کے ہاتھوں سے کارہائے نبوت کا انجام پانا بے شمار احادیث سے ثابت ہے، مثلاً قرآن کریم کا بین الدفتین جمع ہونا اور احادیثِ نبویہ کی نشر واشاعت کرنا، اور تحقیق کر کے احادیث کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنا، اور لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جس کو حق جل شانہٗ نے اس اُمت کی خیر وفلاح کا مدار اور معیار قرار دیا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.[1]

(تم لوگ اچھی جماعت ہو، جو عام لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ تم لوگ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بُری باتوں سے رکتے ہو)۔

اور شیخین کے ہاتھوں سے قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کا درہم برہم ہونا اور ان کے بجائے اسلام کی حکومت کا قائم ہونا یہی وہ تمکینِ دین تھی کہ جو استخلاف کی غرض و غایت تھی۔ کما قال تعالیٰ:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا.[2]

(تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں، اور نیک کام کریں، ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائیں گے جیسے ان سے پہلوں کو دی تھی، اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند

---

[1] القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۱۰۔

[2] القرآن: ۲۴ (النور)، ۵۵۔

کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا، اور ان کے خوف کے بعد اسے
امن سے بدل دے گا)۔

اس آیت کے مصداق خلفاء ثلاثہ ہیں۔حق جل شانہٗ کی مراد تمکین دین مرتضیٰ
انہیں بزرگواروں کے زمانۂ خلافت میں ظاہر ہوئی۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔[۱]

(یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیں تو یہ لوگ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں (دوسروں کو) نیک کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں)۔

اور اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا۔[۲]

(اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا تو اپنے اپنے زمانے میں نصاریٰ کے خلوت کدے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے، اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، سب منہدم ہو گئے ہوتے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ استخلاف حق جل شانہٗ کی غرض و غایت

---

[۱] القرآن: ۲۲ (الحج)، ۴۱۔
[۲] القرآن: ۲۲ (الحج)، ۴۰۔

دفعِ کفار واحیاءِ دین اسلام تھی۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ. [1]

(اور ہم سب آسمانی کتابوں میں لکھنے کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حق غیب الغیب میں قبل بعثت آنحضرت ﷺ یہ تھی کہ ارض شام صالحین کے ہاتھ پر فتح ہو، جب دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ارض شام شیخین کے ہاتھ پر فتح ہوئی تو جان لیا کہ یہ گروہ صالحین ہے، اور یہی اس آیت کے مصداق ہیں۔

نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاۤ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ. [2]

(اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی، اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا کہ عنقریب فتنۂ ارتداد ظہور میں آئے گا، اور اس کا استیصال ایسی قوم کے ہاتھ سے ہوگا کہ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگی کہ جو آیت میں مذکور ہیں اور یہ پیشین گوئی حضرت صدیق

[1] القرآن: ۲۱ (انبیاء)، ۱۰۵۔

[2] القرآن: ۵ (مائدہ)، ۵۴۔

اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں پوری ہوئی، نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَأْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ أوْيُسْلِمُوْنَ.[1]

(عنقریب تم لوگ ایسی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے، یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ فرماں بردار (مسلمان) ہوجائیں)۔

اس آیت سے مفہوم ہوا کہ عنقریب ایک وقت آئے گا کہ خلیفۂ وقت لوگوں کو جہادِ فارس اور روم کی دعوت دے گا اور شرعاً قوم پر اس کا حکم واجب الانقیاد ہوگا، اور یہ پیشین گوئی شیخین کے عہد خلافت میں واقع ہوئی۔

ان آیات میں اگرچہ زمان اور اشخاص کی تعیین نہیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ تمام وعدے خلفاءِ ثلاثہ کے ہاتھ پر پورے ہوئے اور غیب سے اللہ تعالیٰ نے ان کی فوق العادت مدد فرمائی، اور ان کو بے مثال فتح ونصرت اور بے نظیر کامیابی اور کامرانی نصیب فرمائی تو معلوم ہوگیا کہ قرآن کریم نے جس فتح ونصرت کی خبر دی تھی وہ یہی فتح اور نصرت ہے جو خلفاء ثلاثہ کو حاصل ہوئی، اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس نے مرتدین سے قتال کیا اور کس نے فتح فارس وروم کا سنگ بنیاد رکھا اور کس کے عہد خلافت میں یہ بلاد فتح ہوئے۔

درحقیقت تمام روئے زمین بمنزلہ ایک پرندے کی تھی جس کا سر عراق تھا اور فارس اور روم اس کے دو بازو تھے، اور ہندوستان اور انگلستان، یا ہندوستان اور ترکستان اس کے دو پیر تھے پس بتلاؤ کہ اس پرندے کا سر کس نے کچلا اور اس کے بازو کس نے کاٹے؟ یہی دو پیر جو اُن سے بچ رہے تھے تا حال باقی ہیں۔[2]

[1] القرآن:۴۸ (الفتح)،۱۶۔

[2] ازالۃ الخفاء۔۲/۷۔

اور پھر ان آیات قرآنیہ کے ساتھ ان ارشادات نبویہ کو ملالیا جائے جو خلفاء راشدین کے بارہ میں آئے ہیں مثلاً حدیث [1] رؤیائے دلو وحدیث رؤیائے میزان اور حدیث رؤیائے ظلہ۔ یہ تینوں حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں، اور مثلاً حدیث وضع احجار اور حدیث تسبیح حصاۃ اگر ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے تو حقیقت امر اور بھی منکشف ہو جائے گی اور معما حل ہو جائے گا۔

اور پھر آپ کی یہ وصیت کہ میرے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اقتداء کرنا، اور مرض الوفات میں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دینا۔ اگر اس قسم کے اشارات پر غور کرو تو انشاء اللہ تعالیٰ تصریحات سے بھی ابلغ اور الطف نظر آئیں گے اور یہ امر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ تمام اشارات اسی اجمال کی تفصیل ہیں کہ جو آیات خلافت میں مندمج اور منطوی تھا اور یہ وہ خاص ہے کہ جو عموم قرآنی کے تحت مندرج تھا۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ جس طرح حضرات انبیاء کی اُمت پر فضیلت کا راز یہ ہے کہ وہ جارحۂ تدبیر الٰہی ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ اور اُن کے ہاتھوں اصلاح عالم اور ارشاد اُمت ظہور

---

[1] حدیث دلو سے وہ حدیث مراد ہے کہ جس میں یہ مذکور تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ کنویں سے ڈول نکال رہا ہوں پھر مجھ سے ابن ابی قحافہ یعنی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ ڈول لے لیا الخ اور حدیث میزان سے وہ حدیث مراد ہے کہ جس میں یہ مذکور تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک ترازو لائی گئی جس میں آپ اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تولے گئے الخ، اور حدیث ظلہ سے وہ حدیث مراد ہے کہ جس میں یہ مذکور تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ:

''ابر کا ٹکڑا ہے جس میں سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے۔ الخ اور حدیث وضع احجار سے وہ حدیث مراد ہے کہ جس میں یہ مذکور ہے کہ جب مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی تو سب سے پہلے آپ نے پتھر رکھا پھر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ الخ اور حدیث تسبیح حصاۃ سے وہ حدیث مراد ہے جس میں یہ مذکور تھا کہ حضور ﷺ کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی، اور پھر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی''۔ یہ پانچوں حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں۔

میں آتا ہے جیسا کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. اس طرف مشیر ہے، اسی طرح خلفاء کو رعیت پر فضیلت کا راز یہ ہے کہ خلیفہ کا وجود، نبی کے لئے بمنزلہ جارحہ اور بمنزلہ سمع اور بصر کے ہوتا ہے اور کارہائے نبوت اس کے ہاتھ پر پورے ہوتے ہیں، اور علیٰ ہذا شیخین کا قیامت کے دن درجاتِ عالیہ پر فائز ہونا یہ بھی احادیث صحیحہ اور معتبرہ سے ثابت ہے مثلاً حدیث میں ہے کہ حضور پُر نور ﷺ نے شیخین کو کہول اہل جنت کا سردار فرمایا اور یہ فرمایا کہ حشر کے دن یہ دونوں میرے ساتھ اٹھیں گے وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ کہ شیخین میں یہ چاروں خصلتیں علی وجہ الکمال موجود تھیں جو مدار فضیلت ہیں۔ اوّل کمالات نفسانیہ کے اعتبار سے اعلیٰ مراتب امت سے ہونا اور صدیقیت اور شہیدیّت اسی سے عبارت ہے، دوم آنحضرت ﷺ کی مدد کرنا اور بوقت عُسرت و غربت اسلام کی ترویج میں پوری سعی کرنا، سوم کارہائے مطلوبۂ نبوت کا شیخین کے ہاتھوں پر پورا ہونا۔ چہارم قیامت کے دن شیخین کا درجات عالیہ پر فائز ہونا۔

دلیلِ دوم

شیخین کی افضلیت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانۂ سعادت میں لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ حضور پُر نور ﷺ کے بعد افضل اُمت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کہ بخاری کی حدیثوں میں ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مشائخِ ثلاثہ کی ترتیب مذکور کے ساتھ فضیلت، عہد نبوت ہی میں لوگوں کے زبان زد تھی اور کسی کو اس میں کوئی شک اور شبہہ نہ تھا اور نہ کسی کو اس ترتیب پر کوئی اعتراض تھا اور سقیفۂ بنی ساعدہ اور دیگر مقامات میں جب کبھی

خلیفہ کے متعلق کوئی گفتگو اور بحث ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے لفظ خیر الامت اور لفظ افضل الناس اور لفظ احق بالخلافت اس طریق سے بولا گیا کہ گویا اُن کے نزدیک یہ امر پہلے ہی سے ایسا محقق تھا کہ احتیاج استدلال واحتیاج تحقیق و مقام نہ رکھتا تھا فقط اس کا یاد دلا دینا کافی تھا۔

دلیلِ سوم

افضلیتِ شیخین پر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں، اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے جو اقوال اور آثار اس بارہ میں منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں۔ تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء کی مراجعت کی جائے۔

دلیلِ چہارم

عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ [1] نے بوقت استخلاف عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں جو بیعت کی اس میں یہ شرط لگائی کہ آپ کو اپنے زمانۂ خلافت میں شیخین کے طریقہ پر عمل کرنا اور ان سیرت پر چلنا ہوگا۔

مجمع عام میں عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی گئی اور حاضرین نے اس کو تسلیم کیا یہ بھی شیخین کی افضلیت کی قطعی دلیل ہے اس لئے کہ ایک خلیفۂ مجتہد کو اپنے سے مفضول یا مساوی کے طریقہ پر چلنے کی دعوت دینا سراسر غیر معقول ہے۔

دلیلِ پنجم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ امر بطریق تواتر ثابت ہے، کہ آپ اپنے ایامِ خلافت میں برسر منبر اور برسرِ مجالس بہ ترتیب خلافت افضلیت شیخین کو بیان

[1] صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ متوفی

فرماتے تھے، اور جو لوگ کسی غلط فہمی کی بنا پر اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے ان کو زجر و توبیخ فرماتے اور فقہاء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس وقت حاضر تھے کسی نے کبھی اس کا انکار نہیں کیا، اور اس بارہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے اقوال حد تواتر کو پہنچے ہیں۔[1]

اثباتِ افضلیت

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قرآن کریم اور دین اسلام کے مسلمات میں سے ہے کہ نبی کے بعد درجہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

❶ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا.[2]

(پس یہ لوگ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدیقین شہداء اور صالحین اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں)۔

❷ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَأُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ.[3]

(مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے رسول، ان سے پہلے بہت سے

---

[1] ازالۃ الخفاء۔ ۲/۱۲۰۔

[2] القرآن: ۴ (النساء)، ۶۹۔

[3] القرآن: ۵ (مائدہ)، ۷۵۔

رسول گزر چکے، اور ان کی ماں صدیقہ ہے)۔

❸ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰئِكَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ.[1]

(اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر وہی لوگ صدیق اور شہید ہیں، ان کے رب کے نزدیک)۔

اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدیق ہونا احادیث صحیحہ اور مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے ثابت ہے، اور علیٰ ہذا ائمہ اہل بیت کے بے شمار اقوال سے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدیق ہونا ثابت ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ خلافت میں برسر منبر بارہا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدیق ہونا بیان فرمایا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت بلافصل کے مستحق ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور انہی کے ہاتھ پر تمام مہاجرین و انصار نے دل و جان سے بیعت کی۔

صدیق کی تعریف

❶ صدیق، وہ شخص ہے کہ جس کے ظاہر و باطن میں صدق اس درجہ سرایت کر گیا ہو کہ ذرہ برابر اس میں کذب کی گنجائش نہ رہی ہو، اور بدون کسی توقف اور تامل کے اور بدون طلب معجزہ کے اور بدون صحبت و ہم نشینی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اول وہلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرے۔

❷ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی بتلایا ہے۔

---

[1] القرآن: ۵۷ (الحدید)، ۱۹۔

❸ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اَتْقٰی فرمایا ہے، اس لئے کہ آیت: وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى [1]

(اور اس سے ایسا شخص دُور رکھا جائے گا جو بہت پرہیز گار رہے، جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہوجائے)۔

بالاجماع ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اس لئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا تو بوجہ قرائن بدلالت اولیٰ الاتقیٰ کے اوّلین مصداق ہیں یا یہ کہ الاتقیٰ سے معہود اور معین شخص مُراد ہے، اور وہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

❹ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کا امام مقرر کیا، اور امامت میں اپنا قائم مقام بنایا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھ لیا کہ جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری آخرت کے لئے پسند کیا وہ بلاشبہ ہماری دنیا کی امامت کے لئے بدرجہ اولیٰ پسندیدہ ہوگا۔

اور حضرات شیعہ کے نزدیک تو سوائے اشرف اور افضل کے امام بنانا جائز ہی نہیں، اور اہل سنت کے نزدیک اگرچہ جائز ہے مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ افضل کو امام بنایا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہمیشہ اُن کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفاء کے زمانہ میں یہ نہیں فرمایا کہ خلافت اور امامت کا مستحق میں ہوں، رہا شیعوں کا یہ حیلہ کہ حضرت امیر تقیہ کئے ہوئے تھے یہ غلط ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں کیوں نہ تقیہ کیا۔ اور الا لا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا تقية لَهٗ پر کیوں نہ عمل کیا۔ نیز یہ امر بطریق تواتر ثابت ہے کہ حضرت امیر اپنے زمانہ

[1] القرآن: ۹۲ (اللیل)، ۱۷، ۱۸۔

خلافت میں خلفائے ثلاثہ کی تعریف اور فضائل بیان کیا کرتے تھے، اب اگر وہ تقیہ تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کیسے شیر خدا اور اسد اللہ الغالب تھے۔ خلفائے ثلاثہ کے انتقال کے بعد بھی سالہا سال خوف سے ان کی تعریف کرتے رہے۔

افسوس کہ شیر خدا ہو اور بادشاہ وخلیفہ بھی ہو، اور مُردوں سے خائف ہو جو شخص ایسا ہو کہ مُردوں سے بھی ڈرتا ہو وہ عقلاء کے نزدیک مستحق خلافت نہیں، اس لئے کہ وہ بُزدل ہے۔ معاذ اللہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو ایسے بُزدل اور نامرد نہ تھے۔ حضرات شیعہ جس علی کے احوال بیان کرتے ہیں شاید وہ کوئی اور علی ہوں گے۔

❺ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر کبھی تفویض امامت نماز سے استدلال فرماتے، اور کبھی سوابق اسلامیہ سے استدلال فرماتے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انعقاد خلافت کے وقت یہی بیان فرمایا کہ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سب میں اکمل اور افضل نہیں، اور کیا بوقت ہجرت غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی آپ کو خاص فضیلت حاصل نہیں، اور کیا ہم سے ہر ایک نیک کام میں پیش قدمی کرنے والے نہ تھے۔ یہ کہہ کر حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا، اور اُن کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر یکے بعد دیگرے اور لوگوں نے بیعت کی۔

وسميت صديقا وكل مهاجر سواك يسمىٰ باسمه غير منكر
سبقت الى الاسلام والله شاهد وكنت جليسا بالعريش المشهر
وبالغار اذ سميت بالغار صاحبا وكنت رفيقا للنبي المطهر

قَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ كان ابو بكر الصديق من

النبی ﷺ مکان الوزیر فکان یشاورہٗ فی جمیع امورہٖ و کان ثانیه فی الاسلام و کان ثانیه فی الغار و کان ثانیه فی العریش یوم بدر و کان ثانیه فی القبر ولم یکن رسول اللّٰه ﷺ یقدم علیه احدا.[1]

(سعید بن مسیّب کا قول ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے بمنزلہ وزیر کے تھے۔ کہ تمام امور میں اُن سے مشورہ لیتے تھے، اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت کے اسلام میں بھی ثانی تھے، اور بدر کے دن عریش میں بھی ثانی تھے اور قبر میں بھی حضور ﷺ کے ثانی ہیں یعنی اس عالم میں تو ثانی تھے ہی عالم آخرت میں بھی حضور ﷺ کے ثانی اور رفیق ہیں۔ اور حضور پُرنور ﷺ اپنی زندگی میں کسی کو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقدم نہ رکھتے تھے)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت

❶ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد، مرتبہ فاروق اعظم کا ہے، جیسا کہ احادیث مرفوعہ میں صراحۃً مذکور ہے:

کنا لخیر فی زمان رسول اللّٰه ﷺ فنقول ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیر هذه الامة ثم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ.[2]

---

[1] ازالۃ الخفاء۔ ۲۳۵/۱۔

[2] صحیح بخاری۔ ابواب المناقب۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں باہمی فضیلت کا ذکر کیا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اُن کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

❷ نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تو بعض لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ تم ہم پر ایک سخت آدمی مقرر کر کے جا رہے ہو، خدا تعالیٰ کو کیا جواب دو گے؟

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اَبِربّی تُخوّفونی اقول اللّٰهم استخلفتُ علیهم خیرَ خلقكَ.[1]

(کیا تم مجھے پروردگار کا واسطہ دے کر ڈراتے ہو۔ میں حق تعالیٰ سے یہ عرض کروں گا کہ اے اللہ میں نے لوگوں پر ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کیا جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ بہتر تھا)۔

نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے باسانید صحیحہ منقول ہے کہ کوفہ میں برسرِ منبر اپنی عہد خلافت میں یہ فرمایا کرتے تھے:

خیر هذه الامة ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

(اس اُمت میں سب سے بہتر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے برسرِ منبر اس اعلان واجب الاذعان کے روایت کرنے والے حضرات ذیل ہیں۔

[1] اخرجہ ابن ابی شیبۃ۔

محمد بن الحنفیہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے) اور ابو جحیفہ اور علقمہ اور نزال بن سبرہ اور عبد خیر اور حکم بن حجل وغیرہ ہر ایک سے یہ روایت بطریق متعددہ منقول ہے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند مستفیض مروی ہے کہ اپنی مجالس میں یہ فرمایا کرتے تھے:

سبق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثنی ابوبکر وثلث عمر ثم خبطتنا فتنة رواه عبد اللّٰہ بن احمد فی زوائد المسند والحاکم وغیرھما.

(اوّل درجہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پھر دوسرے درجہ میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر تیسرے درجہ میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر اس کے بعد فتنہ نے ہم کو پریشانی اور حیرانی میں ڈال دیا۔ اس روایت کو عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے)۔

نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق شہرت منقول ہے، کہ جب فاروقِ اعظم کا جنازہ لاکر رکھا گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازہ کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا:۔

ما من احد احب الی ان القی اللّٰہ بما فی صحیفة من ھٰذا المسجی اخرجه الحاکم من طریق سفیان بن عیینة عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واخرجه محمد بن الحسن عن ابی حنیفة عن ابی جعفر الباقر عن علی مرسلاً.

(اس کفن پوش سے بڑھ کر کوئی شخص مجھ کو محبوب اور پسند نہیں کہ اُس جیسے)

اعمال نامہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں، اس حدیث کو حاکم نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے، اور انہوں نے حضرت جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت باقر سے اور انہوں نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے، اور اس روایت کو امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے اور انہوں نے ابوجعفر یعنی امام باقر سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

اور اسی پر تمام صحابۂ کرام کا اجماع ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ ہے اور اسی پر تابعین کا اجماع ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیّت

اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ ہے اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا مرتبہ ہے۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے کے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل اور اکمل تھے، اور بالاجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خلیفہ برحق اور امام مطلق مقرر ہوئے، اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اپنے زمانے میں تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل و اکمل تھے۔

اہل سُنت کے نزدیک فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت کی ترتیب ہے، اور خلافت کی ترتیب، فضیلت کی ترتیب پر مبنی ہے، فضیلت کی ترتیب خلافت کی ترتیب پر مبنی نہیں، خوب سمجھ لو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کو چھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں دائر فرمادیا تھا جن کے نام حسب ذیل ہیں:

حضرت[1] عثمان، حضرت[2] علی، حضرت[3] طلحہ، حضرت[4] زبیر، حضرت[5] سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان سب حضرات نے اپنی رائے کو عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر منحصر کر دیا کہ جس کو یہ خلیفہ مقرر کر دیں، وہی خلیفہ ہیں۔ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا:

والله عليّ ان لا الو عن افضلكم.

اللہ تعالیٰ مجھ پر شاہد اور نگہبان ہے کہ میں انتخاب میں کوتاہی نہ کروں گا۔
خدا کی قسم جو تم میں افضل ہوگا۔ اس کو منتخب کروں گا۔ [1]

مجلس شوریٰ نے اگرچہ انتخاب کا پورا اختیار عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا تھا لیکن عبد الرحمٰن نے تنہا اپنی رائے سے فیصلہ مناسب نہ سمجھا۔ تین رات تک تمام اہلِ حل وعقد اور اہل الرائے سے فرداً فرداً اس بارہ میں مشورہ لیتے رہے، اس وقت مدینہ منورہ میں تمام بلادِ اسلامیہ کے امراء یعنی گورنر بھی موجود تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حج سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے۔

(١) امیر شام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (٢) امیر حمص حضرت عمر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (٣) امیر کوفہ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (٤) امیر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (٥) امیر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ [2]

بخاری کی روایت میں ہے:

فلما ولوا عبد الرحمٰن امرهم مال الناس على عبد

---

[1] صحیح بخاری۔ باب قصۃ البیعۃ، فتح الباری۔ ٥٦/٧۔
[2] فتح الباری۔ ١٧٠/١٣۔

الرحمٰن يشاورونه تلك الليالى.

(یعنی مجلس شوریٰ نے انتخاب کا اختیار عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا تو لوگ عبد الرحمٰن کی طرف متوجہ ہوئے، اور کئی رات تک مشورے ہوتے رہے کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے)۔

دارقطنی کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے:

زاد الزبيدى فى رواية عن الدار قطنى فى غرائب مالك عن الزهرى لا يغلوبه رجل ذورأى فيعدل بعثمان احد.[1]

(امام مالک زہری سے راوی ہیں، کہ جوذی رائے بھی عبد الرحمٰن سے خلوت میں ملتا تھا وہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر کسی کو نہیں قرار دیتا تھا)۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ مداینی نے بخاری کی روایت میں اس قدر زیادہ روایت کیا ہے:

ان سعد اشار عليه بعثمان وانه دار تلك الليالى كلها على الصحابة ومن وافى المدينة من اشرف الناس لا يغلو برجل منهم الا امره بعثمان.[2]

(سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد الرحمٰن کو یہ مشورہ دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لینا۔ عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین رات تک اس بارہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کرتے رہے، اور

---

[1] قسطلانی۔ ۱۰/ ۲۵۳۔

[2] فتح الباری۔ ۷/ ۵۶۔

خصوصاً ان اکابر اور اشراف سے بھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس وقت مدینہ آئے ہوئے تھے جس شخص سے بھی خلوت اور تنہائی میں ملتے تو یہی مشورہ اور حکم دیتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کرو)۔

تین شب گزرنے کے بعد جو صبح آئی تو صبح کی نماز کے بعد حاضرین مسجد کے علاوہ مجلس شوریٰ کے یہ چھ رکن جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشورہ کے لئے معیّن فرما گئے تھے، ممبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جمع ہوئے۔ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امرائے بلادِ اسلامیہ اور دیگر اشراف اور ذی رائے مہاجرین اور انصار کو جو اس وقت موجود نہ تھے بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا۔

فلما اجتمعوا تشهد عبد الرحمٰن وفی روایة جلس عبد الرحمٰن علی المنبر ثم قال اما بعد یا علی انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارهم یعدلون بعثمان فلا تجعلن علٰی نفسك، من اختیاری بعثمان ای ملامة فقال عبد الرحمٰن من اختیاری بعثمان ای ملامة نقال عبد الرحمٰن مخاطبًا بعثمان ابایعك علٰی سنة اللّٰه وسنة رسوله والخلیفتین ابی بکر و عمر من بعدهٖ فقال عثمان نعم فبایعه عبد الرحمٰن فبایعه الناس والمهاجرون والانصار وامراء الاخبار والمسلمون.[1]

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الاحکام قسطلانی۔ ۲۵۴/۱۰۔

(جب سب جمع ہو گئے تو عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممبر پر چڑھے اور خطبہ دیا، اور حمد وثنا کے بعد کہا اے علی! رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نے لوگوں کی رائے اور مشورہ میں نظر کی، کوئی شخص ایسا نہیں پایا کہ جو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر کسی کو سمجھتا ہو یعنی سب انہی کو افضل اور احق بالخلافۃ سمجھتے ہیں۔ اس لئے میں عثمان کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ پس تم اس انتخاب کے بارہ میں میری طرف سے کوئی خیال شکایت کا نہ لانا اس لئے کہ میں نے جو کچھ کیا وہ اپنی تنہا رائے سے نہیں کیا سب کے اتفاق اور مشورہ سے کیا، اس کے بعد عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم سے اس شرط پر خلافت کی بیعت کرنا چاہتا ہوں کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے طریقہ پر چلو گے، اور اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کی پیروی کرو گے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں مجھ کو منظور ہے۔ اس اقرار کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی، اور تمام مہاجرین اور انصار اور بلادِ اسلامیہ کے تمام امراء نے اور تمام مسلمانوں نے بیعت کی)۔

اور بخاری کی دوسری روایت میں ہے:

قال ارفع يدك يا عثمان فبايعه وبايع على دولج اهل الدار فبايعوه. [1]

(حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائیے، حضرت عثمان نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو عبد الرحمٰن بن عوف

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ فتح الباری۔ ۵۶/۷، ۱۷۰/۱۳۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور بعد ازاں تمام اہل مدینہ ٹوٹ پڑے، اور سب نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی)۔

رہا یہ امر کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیوں، مخاطب فرمایا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجلس شوریٰ کے چھ ارکان میں سے چار حق خلافت سے دست بردار ہو چکے تھے، اور خلافت صرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان دائر رہ گئی تھی، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی درجہ میں توقع بھی تھی، اس لئے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص طور پر مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد کوئی حرف نہیں کہا، اور اسی وقت بلا تامل اور بلا کسی تردّد کے اسی مجلس میں سب کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس طرح باتفاق رائے صحابہ کرام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے، اور ان تمام روایات صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک فرد کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت میں کسی قسم کا کوئی تردّد نہ تھا سب نے بالاتفاق ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل اور اکمل سمجھ کر اپنا خلیفہ اور امیر بنایا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ [1] فرماتے ہیں:

ولهٰذا قال الامام احمد لم يتفق الناس علىٰ بيعة كما اتفقوا علىٰ بيعة عثمان ولاء المسلمون بعد تشاورهم ثلاثة ايام وهم مؤتلفون متفقون متجابون متوادون معتصمون بحبل الله جميعا فلم يعدلوا بعثمان غيره كما اخبر بذلك عبد الرحمٰن بن عوف ولهذا بايعه

[1] منہاج السنہ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ) ۳/ ۲۳۳۔

عبد الرحمن كما ثبت هذا فى الاحاديث الصحيحة كذافى منهاج السنة.[1]

اسی بناء پر امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ لوگ کسی کی بیعت پر اتنے متفق نہیں ہوئے جیسا کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پر متفق ہوئے، مسلمانوں نے تین دن کے مشوروں کے بعد عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا، اور وہ سب اس پر متفق تھے، اور اس انتخاب کو غایت درجہ محبوب اور پسندیدہ جانتے تھے، اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی ''دین'' کو مضبوط پکڑے ہوئے تھے، اور اس وقت کسی کو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی خبر دی، اور اسی بناء پر سب سے پہلے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ایسا ہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اب اس تحقیق سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ بعض اہل علم جیسے علامہ تفتازانی جن کو اس بارہ میں تردّد لاحق ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں باہم کون افضل ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل تھے یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل تھے؟

ان کا یہ تردّد صحیح نہیں اس لئے کہ جن صحابۂ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دن کے مشوروں کے بعد بلا کسی اختلاف کے اپنا خلیفہ منتخب کیا ان کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت میں ذرّہ برابر کوئی شبہ اور تردّد اور بلا کسی اختلاف اور بلا کسی بحث کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے افضل سمجھ کر خلیفہ مقرر کیا، اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ

---

[1] منہاج السنہ۔ ۳/ ۲۳۳۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھا ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت میں تردّد کرنا درپردہ تمام صحابۂ کرام کو خاطی قرار دینا ہے۔ صحابۂ کرام کے اجماع کے بعد توقف اور تردّد بلکہ سکوت کی بھی گنجائش نہیں، البتہ شیخین کی افضلیت قطعی اور یقینی ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت ذرا اس سے کم ہے۔ اور ایسا اجماع کہ جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہو وہ علماء کے نزدیک دلیل قطعی ہے۔ اور جس میں کچھ اختلاف ہو، وہ قطعیت کے درجے سے اتر کر ظنّیت کے درجے پر آجاتا ہے۔

امام ربّانی مجدّد الف ثانی اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: کہ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ائمۂ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور بعض علماء نے جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کے بارہ میں توقف نقل کیا ہے تو اس کے بارے میں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے توقف سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل کی طرف رجوع فرمایا۔

اور امام قرطبی فرماتے ہیں:

وهو الصحيح إن شاء الله تعالىٰ. اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک ارشاد کو نقل فرمایا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے:

من علامات اهل السنة والجماعة تفضيل الشيخين و محبة الختنين.

شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی افضلیت کا اعتقاد اور ختنین (عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی محبت اہل سنت والجماعت کی علامتوں

میں سے ہے۔

اس عبارت سے بادی النظر میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کوئی فرق مرتبہ نہیں۔ مجدد صاحب اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اس عبارت سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصود توقف اور مساوات کا بیان کرنا نہیں بلکہ اس تعبیر کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں فتنے اور فسادات رونما ہوئے، اور لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے بدظنی اور کدورت آگئی، اس لئے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار فرمایا۔ اور صرف ان کی محبت کو اہل سنت کا شعار اور علامت قرار دیا۔ اس تعبیر اور عنوان سے توقف پیش نظر نہیں بلکہ ان حضرات کی طرف سے کدورت اور بدگمانی کے زائل کرنے کے لئے لفظ محبت کا اختیار فرمایا، اور بھلا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توقف یا عدم تفضیل کا خیال کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ تمام کتب حنفیہ اس مضمون سے بھری پڑی ہیں کہ اُن کی افضلیت ترتیب خلافت پر ہے۔ [1]

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ باجماع اہلِ حل وعقد بلا کسی تردد کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

---

[1] مکتوبات عقائد۔ نمبر ۲۶۶۔

اجماعِ اہلِ حل وعقد کی حقیقت وصفت

آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ہم جیسے بے سروسامان، نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے، ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین اور دنیا کے اعتبار سے عزت اور حیثیت والے ہوتے ہیں جس کام کے لئے وہ کھڑے ہو جائیں تو دس آدمی ان کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے، اور جس کام سے وہ بیٹھ جائیں تو لوگ بھی بیٹھ جاتے ہیں سو ایسے آدمیوں کو اپنی حیثیت کے اہل حل وعقد کہتے ہیں، حل کے معنی کھولنے کے ہیں اور عقد کے معنی باندھنے اور گرہ لگانے کے ہیں، سو یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں کہ امور مہمہ ان کے کھولنے سے کھلتے ہیں، اور ان کے گرہ لگانے سے بندھتے ہیں جیسے قضاۃ اور امراء ورؤسا اور علماء وصلحاء جس بات پر متفق ہو جائیں تو یہ اتفاق، اجماع اہل حل وعقد کہلاتا ہے کہ ایسے ہی لوگوں کے باندھنے سے امور بندھتے ہیں اور انہیں کے کھولنے سے کھلتے ہیں جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اہل حل وعقد (مہاجرین و انصار) کے اتفاق سے منعقد ہوئی، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی اہل حل وعقد کے اجماع سے منعقد ہوئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل اور مآثر

❶ آپ کے فضائل میں سے یہ ہے کہ آپ قریش میں عالی نسب اور نجیب الطرفین تھے، پانچویں پشت میں آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

❷ سابقینِ اولین میں سے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

❸ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

❹ آپ اسلام لانے سے پہلے قریش میں بہت بڑے مال دار اور سخی اور کریم تھے۔ حیا اور سخاوت میں مشہور ہیں۔

❺ اسلام لانے کے بعد دو مرتبہ ہجرت کی، اوّل بجانب حبشہ، دوم بجانب مدینہ منورہ، اور قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔

❻ مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما یکے دیگرے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں، اس لئے آپ ذی النورین کے لقب سے ملقب ہوئے۔

❼ تمام مشاہد خیر میں شریک رہے، بیرِ رومہ خرید کر وقف کیا اور جیش عسرت یعنی غزوۂ تبوک میں بے مثال امداد کی۔

❽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حیاء کی خاص طور پر تعریف کی اور بار بار ان کو جنت کی بشارت دی، اور اپنی رفاقت کا مژدہ سنایا۔

❾ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد باتفاق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خلیفہ مقرر ہوئے۔

❿ اپنے زمانہ خلافت میں اسلامی فتوحات کو بڑھایا، اور شیخین کے زمانہ میں جو قرآن کریم جمع کیا گیا تھا اس کو لغت قریش پر کتابت کرا کے تمام بلاد و امصار میں اس کو شائع کیا، اور دوسرے مصاحف جن سے اختلاف پھیلنے کا اندیشہ تھا ان کو معدوم قرار دیا تاکہ کوئی منافق اور ملحد اُن مصاحف میں اپنی طرف سے کوئی کمی اور زیادتی کرکے اُمت میں اختلاف اور فتنہ نہ برپا

کر سکے اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں توسیع فرمائی اور اس کو پختہ بنوایا، اور نشانات حرم کی تجدید کی، اور جدّہ کو ساحلِ سمندر قرار دیا، اور جمعہ کے دن دوسری اذان زیادہ کی۔

بروز جمعہ ۱۸ یا ۱۷ ذی الحجہ ۳۵ھ ظلماً باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے، بارہ دن کم بارہ سال خلافت کی اور وفات کے وقت آپ کی عمر بیاسی سال کی تھی۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
پر معترضین کے اعتراضات
اور ان کے جوابات

قبل اس کے کہ ہم حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بد باطنوں اور بد زبانوں کے اعتراضات کے جوابات دیں بطور تمہید چند امور کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

اوّل یہ کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن احادیث میں جو ثقات کی روایتوں سے ثابت ہیں اور اس درجہ کثیر ہیں کہ تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہیں یہ بیان کیا ہے کہ حکمتِ الٰہی کے اقتضاء سے ذی النورین پر اختلاف ہوگا، اور لوگ آپ کو شہید کریں گے اور آپ اس معاملہ میں حق پر ہوں گے، اور آپ کے مخالف باطل پر ہوں گے۔

❶ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاید حق تعالیٰ تم کو کوئی قمیص، قمیصِ خلافت پہنائے، اگر کوئی تم سے (وہ قمیصِ خلافت) اتروانا چاہے تو تم نہ اُتارنا۔[1]

❷ مرّہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن حوالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فتنوں کا ذکر فرمایا اور بیان کیا کہ وہ بہت نزدیک آنے والے ہیں۔ اتنے میں ایک آدمی چادر سے

[1] (ترمذی)۔

منہ لپیٹے ہوئے ادھر سے آنکلا، آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اس وقت ہدایت پر ہوگا، میں اُٹھ کر اُس شخص کے پاس گیا تو وہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، میں آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوا، اور پوچھا یہی ہے؟ آپ نے کہا ہاں۔[۱]

۳ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب ایک فتنہ اور اختلاف ہوگا، ہم نے عرض کیا کہ آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا امیر اور اس کے اصحاب اور رفقاء کا ساتھ اختیار کرنا اور آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔[۲]

۴ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ محاصرہ میں بلوائیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ رسول خدا ﷺ نے مجھے ایک وصیت فرمائی تھی اور میں اُس پر برابر قائم ہوں۔[۳] اور وہ وصیت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ غنی نے فرمایا کہ میں خلافت نہیں چھوڑ سکتا، کیوں کہ جو جامہ حق تعالیٰ نے مجھ کو پہنایا ہے میں اس کو کبھی نہ اتاروں گا۔

۵ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ میں جان دینے کو زیادہ پسند کرتا ہوں اس سے کہ اُمت کے معاملہ کو بعض لوگوں کی وجہ سے چھوڑ دوں۔[۴]

امرِ دوم

زمانۂ محاصرہ میں حضرت ذی النورین کا اپنی حقیت کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا اور لوگوں کے شبہات کے معقول جوابات دے کر ان کو ساکت کرنا بے شمار روایتوں سے ثابت ہے۔

---

[۱] (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح)۔

[۲] (ابن ماجہ)۔

[۳] ازالۃ الخفاء۔ ۲/ ۲۷۳۔

[۴] ایضاً۔ ۲/ ۲۲۹۔

ابو یعلیٰ کندی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ محاصرہ کے زمانہ میں لوگوں کے سامنے آئے اور یہ کہا اے لوگو! مجھے نہ قتل کرو، صلح کرلو بخدا اگر تم مجھے قتل کرو گے تو کبھی مل کر جنگ نہ کرو گے، اور نہ کبھی دشمنان دین سے جہاد کرو گے، اور انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر کہا کہ اس طرح مختلف ہو جاؤ گے۔

یَا قَوْمِ لَا یَجْرِ مَنَّکُمْ شِقَاقِیْ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِثْلُ مَا اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْکُمْ بِبَعِیْدٍ.[1]

(اے قوم! میری عداوت اور ضد تمہارے حق میں اس بات کا سبب نہ بن جائے کہ تم کو بھی اسی طرح کی مصیبتیں پہنچیں، جیسا کہ قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچیں، اور قوم لوط تو تم سے دُور نہیں، ان پر جو مصیبت آئی وہ تم کو خوب معلوم ہے)۔

امرِ سوم

بحمدہ تعالیٰ صحابۂ کرام میں سے کوئی شخص عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں ملوث اور آلودہ نہیں ہوا، محض منافق اور فاسق اور اوباش اس فتنہ میں شریک ہوئے، اور حضرت ذی النورین چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اس فتنۂ ابتلاء اور صبر کی تلقین کو سُن چکے تھے اور یہ سمجھ چکے تھے کہ تقدیرِ الٰہی اس طرح ہوئی اس لئے مدافعت کی طرف توجہ نہ کی، اور صبر کا پہلو اختیار فرمایا، اور باوجودیکہ مہاجرین اور انصار یہ چاہتے تھے کہ ان فتنہ پردازوں کا قوت سے جواب دے دیا جائے، لیکن حضرت ذی النورین نے اس کی اجازت نہیں دی۔

[1] ازالۃ الخفاء، ۲/ ۲۴۲۔

واخرج ایضًا عن ابن سیرین قال جاء زید بن ثابت الٰی عثمان فقال ھذہ الانصار بالباب قالوا ان شئت ان نکون انصار اللّٰہ مرتین فقال اما قتال فلا واخرج ایضا عن الحسن قال اتت الانصار عثمان فقالوا یا امیر المؤمنین ننصر اللّٰہ مرتین نصرنا رسول اللّٰہ ﷺ وننصرك قال لا حاجة لی فی ذٰلك ارجعوا قال الحسن واللّٰہ لو ارادوا ان یمنعوہ بار دیتھم لمنعوہ.[1]

(ابن سیرین راوی ہیں کہ زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ یہ انصار دروازہ پر موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت دیں تو ہم دو مرتبہ انصار اللہ بن جائیں (یعنی ان فتنہ پردازوں اور بلوائیوں کا بزور شمشیر قصہ اور فتنہ ختم کردیں) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں قتال کی اجازت نہیں دیتا۔ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انصار حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! ہم یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے دین کی دو مرتبہ مدد کریں یعنی ایک مرتبہ تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی اور دوبارہ آپ کی مدد کریں)۔

آپ نے فرمایا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں خدا کی قسم اگر وہ لوگ چادروں سے بھی آپ کی حفاظت کرتے تو آپ کو بچا لیتے۔

---

[1] ایضاً۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین و انصار سب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قوت اور شوکت سے اس فتنہ کو دبانے پر اس لئے آمادہ نہ ہوئے کہ مسلمانوں میں خونریزی کا دروازہ نہ کھل جائے۔

واخرج احمد من طريق الاوزاعي عن محمد بن عبد الملك بن مروان انه حدثهٗ عن المغيرة بن شعبة انه دخل علىٰ عثمان وهو محصور فقال انك امام العامة وقد نزل بك ما ترىٰ وانى اعرض عليك خصالا ثلثا اختر احداهن اما انْ تخرج فتقاتلهم فان معك عددًا وقوة وانت على الحق وهم على الباطل و اما ان تخرق لك بابا سوى الباب الذى هم عليه فتقعد علىٰ رواحلك فتلحق بمكة فانهم لن يستحلوك وانت بها واما ان تلحق بالشام فانهم اهل الشام وفيهم معاوية فقال عثمان فاما ان اخرج فاقاتل فلن اكون اوّل من خلف رسول اللّٰه ﷺ فى امة يسفك الدماء واما ان اخرج الىٰ مكة فانهم لن يستحلونى بها فانى سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول يلحد رجل من قريش بمكة يكون عليه نصف عذاب العالم فلن اكون انا اياه واما ان الحق بالشّام فانهم اهل الشام وفيهم معاوية فلن افارق دارهجرتى ومجاورة رسول اللّٰه ﷺ ۔[1]

---

[1] ایضاً، ۲/ ۲۴۳۔

(امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بطریق اوزاعی، محمد بن عبد الملک بن مروان سے روایت کیا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ مجھ سے مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا ہے کہ وہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے جب کہ وہ محصور تھے، اور یہ عرض کیا کہ آپ ہی امیر المؤمنین ہیں، اور آپ پر جو وقت آپڑا ہے اس کو آپ دیکھ رہے ہیں اس لئے میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے ایک بات اختیار کر لیجئے۔ ① یا تو آپ باہر نکل کر اِن فتنہ پردازوں کا مقابلہ اور اُن سے مقاتلہ کیجئے۔ کیوں کہ آپ کے ساتھ بھی مسلمانوں کا ایک کثیر عدد ہے، اور آپ کے پاس قوت اور شوکت بھی ہے، اور آپ حق پر ہیں اور یہ باطل پر ہیں۔ ② اور یا آپ اپنے مکان میں ایک دوسرا اور دروازہ پھوڑ لیجئے، اور سواریوں پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ چلے جائیں کیوں کہ آپ جب مکّہ مکرمہ میں ہوں گے تو وہاں آپ کو قتل نہ کر سکیں گے۔ ③ اور یا آپ ملک شام چلے جائیں کیوں کہ شام کے لوگ آپ سے خاص تعلق رکھتے ہیں، اور وہاں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لڑنے کے متعلق تو یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پہلا خوں ریز خلیفہ بنوں، اور مکّہ اس لئے نہ جاؤں گا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص مکہ میں الحاد (فتنہ) برپا کرے اُس پر نصف عالم کے برابر عذاب ہوگا، اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ میں وہی شخص بنوں، اور شام اس لئے جانا نہیں چاہتا کہ مدینہ دار الہجرۃ ہے، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب میسّر ہے، اور اس لئے اس سے مفارقت اور جدائی مجھے منظور نہیں)۔[1]

[1] (انتہی)۔

امرِ چہارم

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جس قدر فتوحات ہوئیں وہ دو قسم کی ہیں:۔

قِسم اوّل

ایک قسم وہ فتوحات ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بعض شہروں نے بغاوت کردی تھی، اور حضرت ذی النورین نے دوبارہ ان کو فتح کیا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوات کی وفات کے بعد مرتدین سے قتال کیا۔

1. ہمدان نے بدعہدی کی، مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھ سے دوبارہ فتح ہُوا۔
2. اہل ری بغاوت پر کمر بستہ ہوئے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعی سے یہ فتنہ فروہُوا۔
3. اہل اسکندریہ نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ عمرو بن العاص کی کوششوں نے اُس کو سرنگوں کیا۔
4. آذربائیجان والوں نے عہد سے انحراف کیا۔ ولید بن عقبہ نے اُن کو زیر کیا، اور ان کا دائرہ اس درجہ تنگ کیا کہ بالآخر مجبور ہوکر صلح کی، اور اسی اثناء میں آذربائیجان کے متصل بعض نئے مقامات بھی فتح ہوئے۔
5. حضرت ذی النورین نے ولید بن عقبہ اور سلیمان بن ربیعہ کو آرمینیہ کی طرف فوج دے کر روانہ کیا۔ یہ لوگ بے شمار مالِ غنیمت لائے۔

❻ عثمان بن ابی العاص کو شہر گازرون کی طرف روانہ کیا، اور اس کے تمام علاقے کو صُلح سے فتح کر لیا۔

❼ اور اسی مقام سے عثمان بن ابی العاص نے حرم بن حیان کو دز سفید کی جانب روانہ کیا جو نہایت کم مدت میں بآسانی مفتوح ہو گیا۔

دوسری قسم

فتوحات کی دُوسری قسم وہ ہے کہ جو امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حاصل ہوئیں، اور اس سے پیشتر وہ ممالک اسلامی حکومت کے دائرہ میں نہ تھے۔

❶ ازانجملہ افریقہ ہے جو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہُوا۔ بعد ازاں اُندلس کی طرف لشکر روانہ فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے جزیرۂ قبرص، بحرروم کے سواحل پر جو قریٰ اور امصار واقع تھے اُن پر فوج کشی کا حکم دیا بحمدہ تعالیٰ سب مفتوح ہوئے۔

اور ازاں جملہ فارس اور کرمان اور خراسان اور جُویں اور بیق اور اسفراین اور نساء اور نیشاپور اور سرخس اور بلخ یہ تمام علاقے فوج کشی کے بعد مفتوح ہوئے۔

اور ازاں جملہ کابل اور ہرات اور طالقان اور طبرستان وغیرہ وغیرہ ہیں جو آپ کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوئے۔ ان فتوحات کی تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء از ص ۲۳۱ ج ۲ تا ملاحظہ کریں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ حضرت ذی النورین کے حسن تدبیر سے چند سال میں اسلامی حکومت کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا کہ جو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ قسطنطنیہ سے عدن تک اسلامی حکومت کا عرض تھا اور اندلس سے لے کر بلخ اور کابل تک اس کا طول تھا۔ اگر قاتلینِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذرا صبر سے کام لیتے تو سندھ اور ہند، ترک، چین بھی اسلامی قلمرو میں داخل ہو جاتے۔

یہ فقط سیاست اور حسن تدبیر نہ تھی بلکہ خلافت عثمانیہ کی بے نظیر کرامت تھی کہ دس ۱۰ سال کی مدت میں مشرق اور مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے بیت المال میں پہنچ گیا۔

امرِ پنجم

حضرت ذی النورین کی سیاست اور جہان بانی اور حاسدوں کی نکتہ چینی اور بدزبانی

جس شخص نے کتب سیر اور تاریخ کا مطالعہ کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باحسن وجوہ انجام دیا ہے۔ ذی النورین کے عہدِ خلافت میں اسلامی حکومت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوا کہ جو وہم و گمان سے بھی بالا اور برتر ہے اور مسلمان اس درجہ مرفہ الحال ہوئے کہ روزانہ مالِ غنیمت میں ایک ایک شخص کو لاکھوں درہم و دینار ملتے تھے اور زمین و جائیداد اس کے علاوہ رہی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ زر اور زمین کے پہلے سے مالک تھے اور لاکھوں کا تجارتی کاروبار تھا۔ اسی غیر معمولی دولت کی وجہ سے غنی کے نام سے تمام عرب میں مشہور تھے۔

فتنہ کی ابتداء

یہود کا سخت ترین دشمنِ اسلام ہونا قرآنِ کریم سے ثابت ہے جیسا کہ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا. [1]

(البتہ تحقیق آپ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والا یہود اور مشرکین کو پائیں گے)۔

یہود ابتداء ہی سے اس تاک میں تھے کہ جس طرح نصاریٰ کے دین کو بگاڑا اسی طرح مسلمانوں کے دین کو بھی بگاڑیں اور اُن میں تفرقہ ڈالیں۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ان کو موقع نہ مل سکا اس لئے کہ ان دونوں خلافتوں میں ادنیٰ ادنیٰ اُمور پر سخت دار و گیر ہوتی تھی باوجود گنجائش کے ذرہ برابر رعایت نہیں ہوتی تھی۔ عزیمت پر پُورا پُورا عمل ہوتا تھا۔ جزئی جزئی اور ادنیٰ ادنیٰ امور پر توجہ مبذول رہتی تھی اس لئے کسی دشمن کو فتنہ انگیزی کا موقع نہ مل سکا۔

حضرت ذی النورین کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کے حدود وہم و گمان سے زیادہ وسیع ہو گئے، اور مُسلمانوں میں تمول بھی غیر معمولی طور پر بڑھ

[1] القرآن: ۵ (المائدہ) ۸۲۔

گیا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ادنیٰ ادنیٰ فقیر بھی غنی اور مالدار ہوگیا۔

اور ظاہر ہے کہ دولت اور تموّل کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کو تعیش اور دُنیا کی حرص و طمع میں لگا دیتی ہے۔ مال دار کو کتنا ہی مال مل جائے مگر وہ ہر وقت هل من مزید ہی کی فکر میں رہتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تو شان اشداء علی الکفار کا غلبہ تھا۔ اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شان رحماء بینھم کا غلبہ تھا، اور لسانِ نبوّت سے یہ امر بدرجۂ تواتر ظہور میں آچکا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شانِ حیاء کا اس درجہ غلبہ ہے کہ ملائکہ رحمٰن بھی اُن سے شرماتے تھے، اس لئے ذی النورین کے زمانہ میں وہ دار و گیر نہ رہی کہ جو پہلے تھی۔ نیز اسلامی فتوحات کا دائرہ اس درجہ وسیع ہو چکا تھا کہ کفر میں اسلام کے مقابلہ کی تاب نہ رہی تھی، اور عہد نبوت سے بُعد ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کی قوت ایمانی میں فرق آ گیا تھا، اس لئے ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خیال فرمایا کہ اس دور میں بجائے عزیمت کے رُخصت ہی پر عمل ہو جائے تو کافی ہے، اس لئے حلم اور بردباری سے کام لیا، اور سخت گیری سے کام نہیں لیا۔

اس لئے اب یہود بے بہبود اور دشمنانِ اسلام کو کہ جو اسلام کی خارق عادت شان و شوکت سے دم بخود تھے اور دل ہی دل میں گھٹتے تھے، اُن کو موقع مِل گیا کہ اسلام میں کوئی فتنہ برپا کریں۔ عبداللہ بن سباء جو پہلے یہودی تھا اور ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مُسلمان ہوا، اس نے اپنے جیسے چند ہم خیال لوگوں کو لے کر دین میں رخنہ اندازی اور فتنہ انگیزی شروع کی جس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتظامات پر حرف گیری کرنے لگے اور

ممالک اسلامیہ کے صوبہ داروں اور احکام پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ کبھی کسی والی کی تبدیلی کی درخواست کرتے، اور کبھی کسی عامل کی معزولی کی التجا کرتے، اور اتفاق سے کچھ ایسے ممتاز عہدوں پر فائز ہو گئے کہ جن سے کچھ بے عنوانیاں ظہور میں آئیں، اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے سے اُن کا علم اور تجربہ نہ تھا اس لئے حرف گیروں کو اور موقعہ مل گیا اور کاہ کا کوہ بنالیا۔ اور برملا اور کھلم کھلا نکتہ چینی کرنے لگے، اور اعلانیہ طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت پر تُل گئے، اور امراء اور احکام پر ظلم اور بے جا کارروائیوں کے الزامات تراشنے لگے۔ [1] اِس فتنہ کے بانی ومبانی یہود اور مجوس تھے۔ اور عبداللہ بن سباء اُن کا سرغنہ تھا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب بیان کرتا تھا۔ صحابہؓ کرام اور دیگر عوام مسلمین جن کے قُلوب صاف تھے اچانک اس قسم کی خبروں کو سُن کر شک اور شبہ میں پڑ گئے، اور فتنہ یہاں تک بڑھا کہ فتنہ پردازوں کی یہ جماعت اوّل اوّل تو وُلاۃ اور امراء بلادِ اسلامیہ کی تبدیلی اور معزولی کی درخواست کیا کرتی تھی، اور اب اعلانیہ طور پر امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معزولیت کی گفتگو کرنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور صحابہؓ کرام نے مجبور ہو کر تفتیش کے لئے مختلف

---

[1] حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی ریاست کا رقبہ ۳۶ لاکھ مربع میل تک پہنچ گیا تھا، یہ رقبہ آج کے چائنا اور برِّ اعظم آسٹریلیا کے رقبوں کے برابر تھا۔ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش تینوں کا رقبہ مل کر صرف بارہ لاکھ مربع میل بنتا ہے۔ گویا ان تین بڑے ملکوں سے تین گنا رقبہ ہو گیا تھا۔ اتنے بڑے علاقے کے نظم ونسق میں معمولی خرابیوں کا ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ دوسری بنیادی وجہ یہ تھی کہ عرب کے علاوہ افریقہ اور وسطی ایشیا میں جو مختلف قومیں اسلام کے حلقے میں داخل ہوئی تھیں، ابھی ان کی پوری طرح تربیت نہیں ہوئی تھی۔ اتنے وسیع تر رقبے، اور اتنی مختلف اور رنگارنگ قوموں کے ہوتے ہوئے یہ سوچنا کہ کسی ایک فرد کو بھی حکومت سے شکایت نہیں ہوگی، ایک ان ہونی بات کی توقع رکھنا ہے۔ اور پھر جب کہ صورت حال یہ ہو کہ کعبہ کو صنم خانے سے کچھ پاسبان مل جائیں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہوا۔ (م۔م۔ت)۔

ممالک میں آدمی بھیجے تا کہ اُن کے ذریعے صحیح صحیح کیفیت معلوم ہو۔ سبھوں نے واپس آکر یہ بیان کیا کہ ہم نے عمال اور حکام کی طرف سے کوئی نازیبا کارروائی نہیں دیکھی، اور نہ عوام میں کسی قسم کا چرچا سُنا جس سے ثابت ہوا کہ وہ شکایتیں بے اصل، اور بے حقیقت ہیں۔

حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتنہ کا پہلے سے علم تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن آنے والے فتنوں سے اُمت کو آگاہ فرمایا اُن میں سے ایک فتنہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بھی ہے۔ جس میں حدیثیں اس کثرت سے آئی ہیں کہ جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہیں، اور ان حدیثوں میں اس امر کو صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوں گے، اور اُن کی شہادت کے وقت ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا جو لوگوں کی وضع اور رسموں کو بدل دے گا، اور اس کی آفت عالم گیر ہوگی، اور جو زمانہ اس فِتنہ سے پہلے کا ہوگا وہ نہایت خیر وخوبی کا زمانہ ہوگا، اور اس فتنہ سے خلافتِ خاصہ کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اور زمانۂ نبوت کی برکتیں مستور اور پوشیدہ ہو جائیں گی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آنے سے پہلے اس فتنہ اور ابتلاء کا یقین تھا اور یہ بالیقین جانتے تھے کہ میں اس فتنہ میں حق پر ہوں گا اور ظلماً شہید ہوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو اس قدر کھول کر بیان فرمایا کہ اصل حقیقت سے پردہ اُٹھ گیا اور حجت الٰہی اس کے ثبوت سے قائم ہوگئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس آنے والے فتنہ کے زمانہ اور مکان اور سمت اور صورت اور صفت سب کی تعین فرمادی۔

تعیّنِ زمانہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی چکی ۳۵، ۳۶ یا ۳۷ سال کے بعد بند ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے، اور جہاد اور اسلامی فتوحات کا نظام معطل ہو گیا۔

تعیّنِ سمت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنہ کا ظہور اس جگہ سے ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ (یعنی آفتاب) نکلتا ہے، یعنی اس فتنہ کا ظہور مشرق کی طرف سے ہوگا۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا جو فتنہ برپا ہُوا وہ عراق کی جانب سے ہُوا جو مدینہ منورہ سے شرقی جانب میں واقع ہے۔

فِتنہ کی صورت اور صِفت کی تعین

اخرج الترمذی عن حذیفة بن الیمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لا تقوم الساعة حتی تقتلوا امامکم وتجتلدوا باسیا فکم ویرث دنیاکم شرارکم. (ھذا حدیث حسن).[1]

---

[1] ترمذی۔ باب علامات القیامة۔

(ترمذی میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ تم قتل کرو گے اپنے امام اور خلیفہ کو اور باہم ایک دوسرے پر تلواریں چلاؤ گے، اور تمہارے دنیا کے حاکم تم میں کے بدترین لوگ ہوں گے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے)۔

واخرج احمد عن ابی عون الانصاری ان عثمان قال لابن مسعود ویحك انی قد سمعت و حفظت ولیس کما سمعت ان رسول اللّٰہ ﷺ قال سیقتل امیر و ینتذی منتزوانی انا المقتول ولیس عمر انما قتل عمر واحد انه یجتمع علی. [1]

(امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عون انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ افسوس ہے تم پر یہ کہ تم نے حضور ﷺ کا ارشاد سمجھنے میں لغزش کھائی۔ تحقیق میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سُنا ہے اور خوب یاد رکھا ہے اور خوب سمجھا ہے اور حضور ﷺ کے ارشاد کا وہ مطلب نہیں جو تم نے سُن کر سمجھا۔ تحقیق آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ عنقریب مُسلمانوں کا امیر اور خلیفہ قتل کیا جائے گا، اور کوئی حملہ کرنے والا اُن پر حملہ کرے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ امیر مقتول میں ہی ہوں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا مصداق نہیں (جیسا کہ تمہارا

[1] ازالۃ الخفاء۔ ۱/۶۵۔

گمان ہے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو صرف ایک شخص نے قتل کیا اور مجھ پر تو قتل کے لئے ہجوم اور ہنگامہ ہو گا یعنی ایک جماعت مل کر مجھ کو قتل کرے گی)۔[1]

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین کامل تھا کہ میں فتنہ پردازوں کے ہاتھ سے ظلماً شہید کیا جاؤں گا۔ اس حدیث کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتلاء اور شہادت کی خبر دی ہے۔

ذی النورین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیّت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنے والے ابتلاء اور فتنہ کی خبر دی اور صبر کے ساتھ یہ وصیت فرمائی کہ اے عثمان! شاید اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی قمیص (یعنی قمیص خلافت) پہنائے گا۔ پس اگر لوگ یہ چاہیں کہ تو وہ قمیص اُتار کر اُن کو دے دے تو تُو اس (خدا تعالیٰ) کے عطا کئے ہوئے قمیص کو اُن کے لئے ہرگز نہ اُتارنا۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہدایت

اور اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ ہدایت کی کہ اس فتنہ کے زمانہ میں ہرگز ہرگز ان فتنہ پردازوں کے ساتھ شریک نہ

[1] (مسند احمد)۔

ہونا اور تلواروں کو توڑ دینا اور کمانوں کے چلوں کو کاٹ دینا۔ جس کا ذکر بے شمار روایتوں میں ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت اور وصیت پر پورا عمل کیا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ مصر کے اوباش گھر میں داخل ہوئے اور اُن کو شہید کیا۔ خون کا قطرہ اِس آیت پر گرا۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰه. بعد ازاں قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں:

وبه تبين ان احدا من الصحابة لم يسم عليه ولا قعد عنه ولو استغفر ما غلب الف او اربعة الاف غرباء عشرين الفا بلديين او اكثر من ذلك ولكنه القى بيده الى المصيبة وقد اختلف العلماء فيمن نزل به مثلها هل يلقى بيده او يستنصروا جاز بعضهم ان يستلم ويلقى بيده اقتداء بفعل عثمان وبتوصية النبى صلى الله عليه وسلم بذلك فى الفتنة قال القاضى ابو بكر فالذى ينغل من ذلك ان عثمان مظلوم معجوج بغير حجة وان الصحابة برآء من دمه باجمعهم لانهم اتوا ارادته وسلموا له رأيه فى اسلام نفسه. [1]

(ان تمام واقعات سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک متنفس نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہ تو مخالفت کی اور نہ کوئی صحابی آپ کی نصرت اور حمایت سے پیچھے ہٹے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ سے امداد طلب کرتے تو یہ ناممکن

[1] العواصم من القواصم۔ ص: ۱۳۶۔ ۱۳۹۔

تھا کہ بیرونی ایک ہزار یا چار ہزار اوباش مدینہ منورہ کے بیس ہزار سے زائد جانثاروں پر غالب آجاتے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ہی اپنے ارادہ اور اختیار سے اس مصیبت کو اختیار فرمایا اور ایسی صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کسی کو ایسی صورت پیش آجاوے تو کیا کرنا چاہئے؟ آیا اپنے آپ کو دُشمنوں کے حوالے کرے یا مدد طلب کرے۔ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء کرنی چاہئے۔ فتنہ کے وقت میں نبی کریم ﷺ کی یہی وصیت ہے۔ قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظلماً بغیر حجت اور بلاوجہ کے شہید کئے گئے، اور تمام حضرات صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خُون میں شرکت سے بالکلیہ پاک اور بری ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ اور منشاء کی تعمیل میں حضرات صحابہ نے اپنے ہاتھوں کو بادل نخواستہ روکا۔ صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منشاء مبارک یہ ہے کہ ہاتھوں اور ہتھیاروں کو روکا جائے اس لئے باغیوں کا مقابلہ نہیں کیا)۔

میل من سوئے وصال ومیل او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

نیز قاضی ابوبکر بن العربی العواصم میں فرماتے ہیں:۔

قال سليط ابن ابى سليط نهانا عثمان عن قتالهم فلو اذن لنا لضربنا هم حتى نخرجهم عن اقطارها وقال عبد الله بن عامر بن ربيعة كنت مع عثمان فى الدار فقال اعزم على كل من رأى ان لى عليه سمعا و طاعة

الا کف یدہ و سلاحہ فان افضلکم غناء من کف یدہ افضلکم غناء من کف یدہ و سلاحہ.

(ابن ابی سلیط کہتے ہیں کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو باغیوں کے مقابلہ اور مقاتلہ سے منع کر دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر ہم کو اجازت دے دیتے تو ہم اُن تمام باغیوں کو مدینہ کے تمام اطراف و جوانب سے نکال دیتے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں موجود تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام حاضرین کو جو ہر قسم کی مدد کے لئے تیار تھے۔ مخاطب بنا کر یہ فرمایا کہ وہ شخص کہ جو میری اطاعت کو اپنے ذمہ حق اور لازم سمجھتا ہو میں اُس کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اپنے ہاتھ اور تلوار کو روکے رکھے۔ تم میں سب سے زیادہ میرے لئے کارآمد سُودمند وہ شخص ہے جو اپنے ہاتھ اور تلوار روکے رکھے)۔

وثبت ان الحسن والحسین وابن الزبیر وابن عمر و مروان کلھم شاک فی السلاح حتی دخلو الدار فقال عثمان اعزم علیکم لما رجعتم فرضتم اسلحتکم و لزمتم بیوتکم کذا فی العواصم من القواصم. ص۱۴۱.

(اور یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مروان، یہ سب ہتھیار بند ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ان کے گھر میں داخل ہوئے تا کہ اُن کی حفاظت اور پاسبانی کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تمہیں؟ خُدکی

قسم دیتا ہوں کہ تم لوٹ جاؤ، اور اپنے ہتھیاروں کو اُتار کر رکھ دو۔ اور اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ)۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ:

''اخیر ذی قعدہ سے ۱۸ ذی الحجہ تک باغیوں کا محاصرہ رہا۔ شہادت سے ایک روز پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے سامنے تقریباً سات سو مہاجرین وانصار جمع تھے جن میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مروان بھی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کی بھی ایک کثیر جماعت موجود تھی جو مدافعت کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت کے منتظر تھے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجائے اجازت کے یہ فرمایا کہ جس پر میرا کوئی حق ہے میں اُسے خدا تعالیٰ کا واسطہ دے کر یہ کہتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کو روکے اور اپنے گھر واپس ہو جائے اور غلاموں کو یہ فرمایا من اغمد سیفہٗ فھو حر. جو اپنی تلوار کو نیام میں لے وہ آزاد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کے بعد معاملہ سرد ہو گیا، اور لوگ اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اوباشوں کو موقعہ مل گیا۔ گھر میں داخل ہوئے۔ اور حضرت ذی النورین کو شہید کیا''۔[1]

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ط

ابو سعید مولیٰ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

اِنَّ عثمانَ اِعتق عشرین مملوکا و دعا بسراویل

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ۷/۱۸۱۔

فشدها عليه ولم يلبسها في جاهلية ولا اسلام قال انی رأیت رسول اللّٰہِ ﷺ البارحة فی المنام ورايت ابابكر و عمر وانهم قالو الى اصبر فانك تفطر عندنا القابلة ثم دعا بمصحف فنشره بين يديه فقتل وهو بين يديه و روى الامام احمد هٰذا الحديث عن نائلة زوجة عثمان. [1]

(حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس دن شہید ہوئے اُس دن بیس ۲۰ غلام آزاد فرمائے، اور پائجامہ منگا کر پہنا حالانکہ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام میں کبھی پائجامہ نہیں پہنا تھا اور یہ فرمایا کہ آج رات میں نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ یہ تینوں یہ کہہ رہے ہیں کہ اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ! صبر کر اور اگلی شام کو روزہ ہمارے پاس افطار کرنا۔ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن شریف منگوایا اور تلاوت کے لئے اُس کو کھولا۔ اسی تلاوت کی حالت میں شہید کئے گئے)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وقد حلف (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وهو الصادق بلا يمين انه لم يقتل عثمان ولا مالأ على قتله بل ولا رضى بقتله وكان يلعن قتلة عثمان واهل السنة يعلمون ذلك منه بدون قوله فهو اتقى اللّٰه من ان يعين علٰى قتل عثمان

---

[1] مسند احمد بن حنبل۔ ۱/۱۷۳۔
حدیث نمبر: ۵۳۶، البدایۃ والنہایۃ۔ ۷/۱۸۲، نیز: تاریخ طبری ۵/۱۲۵۔

او یرضی بذلک. [1]

(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے (اور وہ تو بلا قسم کے بھی صادق ہیں) کہ میں نے نہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں کوئی حصہ لیا، اور نہ ان کے قتل میں میں نے کسی قسم کی مدد کی، اور نہ میں اُن کے قتل پر راضی ہُوا، اور تمام اہلِ سنت کو اس امر کا بدون حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہے ہوئے ہی یقین ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا اعلیٰ درجہ کا متقی اور پرہیز گار اس سے پاک اور بری ہے کہ وہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں کسی قسم کی مدد کرے یا ان کے قتل پر راضی ہو)۔

نکتہ: ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ ہابیل کی سُنت پر سب سے پہلے عمل کرنے والے عثمان غنی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں کہ جس طرح ہابیل نے قابیل کے مقابلہ میں **مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ**. کہا اور اپنے بھائی کے مقابلہ اور مدافعت کی بجائے صبر اور شہادت کو ترجیح دی، اسی طرح عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے بجائے اپنے صبر اور شہادت کو ترجیح دی۔ اپنا گلا کٹوا دیا لیکن کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ [2]

شاہ عبد القادر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو بے وجہ ناحق مارنے لگے تو اُس کو رخصت ہے کہ ظالم کو مارے، اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے اھ۔

اور یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہے کافروں اور باغیوں کے مقابلہ میں نہیں، وہاں قتال ضروری ہے، ہاتھ پاؤں کو توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں۔

---

[1] منہاج السنہ۔ ۳/۱۷۸۔

[2] (دیکھو ابن کثیر)۔

آمدم برسرِ مطلب

حق جل شانہٗ کی توفیق سے امید ہے کہ ان مقدمات کے ممہد ہو جانے کے بعد حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور اُن کے تدبّر اور سیاست کے متعلق اصولی اور کلی طور پر کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔ لیکن مزید تشفی اور تسلی کے لئے معترضین کے چند جزئی اعتراضات کو نقل کر کے جوابات دینا چاہتے ہیں، اور صرف ان اعتراضات کے جوابات پر اکتفا کرتے ہیں کہ جو اعتراضات معترضین کے نزدیک بہت اہم ہیں۔ واللّٰہ الھادی الٰی سواء الطریق وبیدہ ازمۃ التحقیق وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب.

اعتراض

❶ حضرت ذی النورین کے زمانۂ خلافت میں ملک میں جو انتشار اور بدنظمی رونما ہوئی وہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت اور سلطنت کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

جواب

یہ بالکل غلط ہے۔ معاذ اللہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سلطنت کی صلاحیت نہ ہوتی تو باتفاق صحابۂ کرام آپ خلافت اور امارت کے لئے کبھی مُنتخب نہ ہوتے۔ یہ ناممکن ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اہل اور نا اہل کی تمیز نہ ہو اور وہ غلطی سے نا اہل پر مُتفق ہو جائیں۔ جن صحابۂ کرام نے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خلافت کے لئے مُنتخب کیا، اور جنہوں نے قیصر و کسریٰ کا تختہ اُلٹا۔ اُنہی حضرات نے باتفاق حضرت ذی النورین کو اپنا خلیفہ اور امیر منتخب کیا۔

حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ اے عثمان! رضی اللہ تعالیٰ عنہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی قمیص پہنائے گا یعنی خلیفہ بنائے گا۔ پس اگر لوگ یہ چاہیں کہ وہ قمیص اُتار دے یعنی تو خلافت سے دست بردار ہو جائے تو اُن کے لئے قمیص نہ اُتارنا۔ یعنی خلافت سے دست بردار نہ ہونا۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے۔ یہ حدیث اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں خلافت اور سلطنت کی پوری اہلیت اور صلاحیت ہوگی۔ اور اس وقت عند اللہ اور عند الرسول حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی خلیفہ برحق امارت اور خلافت کے صحیح مستحق ہوں گے اور جو لوگ ان کی معزولی اور علیحدگی کے خواہاں ہوں گے وہ باطل پر ہوں گے۔ لہٰذا جو لوگ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہلیت خلافت اور صلاحیت سلطنت میں کلام کرتے ہیں وہ در پردہ خاموش طریقہ سے ان ہی اہلِ باطل کے ساتھ شریک ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلافت کا قمیص چھیننا چاہتے تھے۔

حضرت ذی النورین کی وسیع فتوحات اُن کی اہلیت خلافت اور اُن کے تدبر اور سیاست کے شاہد عدل ہیں۔ حضرت ذی النورین کے چند سالہ فتوحات سے اسلامی مملکت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوا کہ آج امریکہ اور برطانیہ دونوں کامل کر بھی دائرہ سلطنت اتنا وسیع نہیں ہوا۔ اب بھی کسی نادان کو حضرت ذی النورین کے تدبّر اور سیاست میں شبہ ہے؟۔

جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں طعن و تشنیع کرتے تھے صحابۂ کرام اُن کو مفسد اور فتنہ پرداز سمجھتے تھے، اور اُن کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اور اہلیت میں کوئی شبہ نہ تھا۔

بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خوب جانتے تھے کہ یہ وہی فتنہ ہے کہ جس کی حضور

پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی تھی کہ ایک دن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلوائیوں اور فتنہ پردازوں کے ہاتھ شہید ہوں گے۔

بلوائیوں کے مقابلہ اور جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو خُطبے دیئے، اور اُن کے جواب میں جو تقریریں کیں اُن سب سے عیاں اور واضح ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو مظلوم اور محض بے قصور سمجھتے تھے اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ میں حکمرانی میں سُنت اور طریقۂ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عامل ہوں میں نے سُنتِ عمر کو ترک نہیں کیا۔ خلافت اور امارت کے بارہ میں حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روش وہی تھی کہ جو شیخین کی تھی فرق صرف اس قدر تھا کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی عزیمت سے رخصت کی طرف اُتر آیا کرتے تھے اور اُن کے حکام اور ولات اس درجہ کے نہ تھے کہ جو شیخین کے زمانہ میں تھے نیز اُن کی رعیت بھی اُن کی ایسی مطیع اور فرمانبردار نہ تھی جیسے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطیع تھی۔

❷ آپ نے اپنے عہد خلافت میں صحابہ کی ایک جماعت کو حکومت سے معزول کر کے بنی امیہ کے نوجوانوں کو جنہیں سبقتِ اسلام کا شرف حاصل نہ تھا مامور کیا۔ مثلاً آپ نے بصریٰ سے ابوموسیٰ اشعری کو معزول کر کے عبد اللہ بن ابی عامر کو مقرر کیا اور مصر سے عمرو بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو بھیجا۔[1]

عُمّال اور حُکام کا عزل ونصب حق تعالیٰ نے خلیفہ کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ خلیفہ جس میں اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح اور بہبودی خیال کرے اس کے مطابق کرے۔ اگر اس کی رائے صواب اور درست ہوئی تو اُس کو دوگنا اجر اور

[1] دیکھو منہاج السنۃ ۔۲/۱۷۵۔

ثواب ہوگا اور اگر اُس نے خطا کی تو اُس کو ایک اجر ہوگا اور یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے بدرجۂ تواتر منقول ہے۔

اور آنحضرت ﷺ مصلحت کی وجہ سے کبھی ایک کو معزول کر کے دُوسرے کو مقرر فرما دیتے تھے جیسا کہ فتح مکہ میں انصار کے نشان کو سعد بن عبادہ سے ایک بات زبان سے نکل جانے کی وجہ سے اُن سے لے کر اُن کے بیٹے قیس بن سعد کو دے دیا۔

اور کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو مقرر فرماتے جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنی اخیر عُمر میں اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سردار لشکر مقرر کیا اور کبارِ مہاجرین اور انصار کو اُن کے ماتحت کیا، اور آپ ﷺ کا یہ فعل آخر عمر میں تھا جس میں نسخ کا احتمال نہیں۔ اور اسی طرح شیخین نے اپنے زمانۂ خلافت میں کیا۔ غرض یہ کہ خلیفہ کا عمال کو مقرر و برخاست کرنا ہمیشہ سے رہا ہے۔ شرعاً وعقلاً یہ ضروری اور لازمی نہیں کہ پہلے عمال کو ہمیشہ بحال رکھا جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ معزول کرنے کے بعد اس کی جگہ اس سے کسی افضل اور بہتر ہی کا تقرر ہو۔ امام کو اختیار ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے افضل کے بجائے مفضول اور کمتر کو مقرر کرے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ کوفہ کی شکایت کی بناء پر سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے عمار بن یاسر کو مقرر کیا حالانکہ سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور عمار بن یاسر سے افضل ہیں۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے وقت خلافت کو چھ صحابہ میں دائر اور مشترک کیا۔

عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اب دیکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ کی ولایت سے تو معزول کیا اور ولایت عامہ اور خلافت کبریٰ کے لئے جو چھ آدمی نامزد کئے اُن میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی نامزد کیا۔ معلوم ہوا

کہ کوفہ سے سعد کی معزولی کسی مصلحت کی بنا پر تھی۔ معاذ اللہ عدم اہلیت کی بناء پر نہ تھی، اور نہ یہ معزولی ان کی تحقیر اور تذلیل تھی۔ اس لئے کہ جس شخص میں ایک شہر کے والی بننے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ تمام مسلمانوں کا امیر اور تمام بلاد اسلامیہ کا خلیفہ اور بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اور دیگر خلفاء بھی اسی دستور پر عمل کرتے رہے۔

لہٰذا حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس معاملہ میں باز پُرس نہیں کی جاسکتی۔ اگر آپ نے کسی مصلحت اندیشی سے سن رسیدہ صحابی کو معزول کر کے کسی نوجوان کو مقرر کر دیا تو محل اعتراض نہیں ہوسکتا، اور اس معزولی کو صحابی کی تحقیر سمجھنا نادانی ہے۔

خاص کر ان مثالوں میں جن کو معترضین پیش کرتے ہیں تامل کرنے سے حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصابت رائے روز روشن کی طرح نمایاں ہو جاتی ہے کیوں کہ ہر ایک عزل ونصب سے یا تو کسی لشکر کا اختلاف رفع کرنا مقصود تھا یا کسی نئی اقلیم کا فتح کرنا تھا۔ لیکن ہوائے نفسانی نے معترضین کی نگاہوں کو اندھا کر دیا ہے۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیة ولکن عن السخط تبدی المساویا

ترجمہ: رضا اور خوشنودی کی آنکھ ہر عیب سے غافل ہوتی ہے لیکن ناراضگی کی آنکھ عیبوں اور بُرائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو معزول کیا اس کی وجوہ کُتب تاریخ میں مفصل مذکور ہیں۔ ان وجوہ پر مطلع ہونے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حُسن تدبیر معلوم ہوتی ہے، اور واقعی مذکورہ بالا اشخاص کا تقرر

بہت سی فتوحات اور نظم امور کا باعث ہُوا، اور خلافت کا نقشہ ہی بدل گیا اور مملکت اسلامیہ میں وہ طول وعرض پیدا ہُوا کہ جو کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ قسطنطنیہ سے لے کر عدن تک اسلامی حکومت کا عرض تھا، اور اندلس سے لے کر بلخ تک اور کابل تک اس کا طول تھا۔ تفصیل کے لئے تحفہ اثنا عشریہ کی مراجعت کی جائے۔

معترضین یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو مقرر کیا۔ ان کے ہاتھوں سے کیا کارہائے نمایاں ظہور میں آئے جو سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

مثلاً ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی مصلحت کی بناء پر معزول کر کے عبد اللہ بن عامر کو مقرر کیا۔ لیکن کیا معترضین کو اس کی خبر نہیں کہ خراسان کا تمام علاقہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے فتح ہُوا۔ کتب تاریخ میں ہے۔

لما افتتح عبد اللّٰہ بن عامر خراسان قال لاجعلن شکری للّٰہ ان اخرج من موضعی بذا محرما فخرج من نیشاپور.

(عبداللہ بن عامر نے جب خراسان کو فتح کیا تو یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر میں اپنے اسی جگہ سے احرام باندھ کر حج کے لئے نکلوں گا چنانچہ نیشاپور سے احرام باندھ کر حج کے لئے نکلے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے)۔ [1]

حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مصر سے عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح صحابی کو مقرر کیا جن کی حسن تدبیر سے مغرب

[1] العواصم من القواصم۔ ص:۸۴۔

کی تمام زمین فتح ہوئی، اور جزائر مغرب بھی اسلامی مملکت میں داخل ہوئے، اور بے شمار خزانے بارگاہِ خلافت میں بھیجے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ اس فتح میں جو مال غنیمت ملا اس میں سے ۲۵ لاکھ دینار تو خالص سونا تھا اور کپڑے اور زیورات اور مویشی اور دیگر قسم کا سامان جو ملا اس کا کوئی شمار نہ تھا۔ اس تمام مال کا خمس تو بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا، اور باقی تمام مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس لشکر اور جہاد میں بہت سے صحابۂ کرام اور اُن کی اولاد شریک تھے، سب اُن کی سیرت اور حُسنِ تدبیر سے اور سیاست سے خوش رہے، اور ان کی کسی بات پر کسی نے کوئی انکار نہیں کیا، اور پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لوگوں میں فتنہ برپا ہُوا تو عبداللہ بن سعد کنارہ کش ہو گئے، اور کسی طرف شریک نہیں ہوئے، اور یہ کہا کہ ہم نے خدا تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ کفار کے قتل کے بعد مسلمانوں کو قتل نہ کریں گے۔ اور انہوں نے اپنی آخری عمر گوشہ نشینی میں گزاری۔

اور یہ کہا جائے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے کو کیوں والی اور حاکم بنایا جس سے بعد میں خیانت ظاہر ہوئی تو جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم غیب نہ تھا۔ حسن ظن کی بناء پر والی بنایا، اور جب کوئی خیانت ظاہر ہوئی تو معزول کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شیعوں کے نزدیک امام معصوم اور غیب دان تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں بہت سے لوگوں کو والی و حاکم مقرر کیا، اور بعد میں کسی وجہ سے ان کو معزول کر دیا۔ معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم الغیب تھے بالکل غلط ہے۔

۳ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اقارب اور احباب کو بیت المال سے بے شمار مال عطا کیا۔ اور بیت المال کی زمینیں اور علاقے ان کو دیئے، اور مسلمانوں کے حقوق کو تلف کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داو و دہش کو بیت المال کی طرف منسوب کرنا محض افتراء اور صریح بہتان ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالداری اور ثروت پہلے ہی سے مشہور تھی، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب فتوحات ہوئیں اور بے شمار مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو وہ فقراء مہاجرین جو نانِ شبینہ کے محتاج تھے لاکھوں درہم و دینار کے مالک بن گئے، اور زمینوں اور باغوں والے بن گئے، اور بڑی بڑی عمارتیں رہنے کے لئے بنالیں، اور جو لوگ پہلے سے مال دار اور لاکھوں کے مالک تھے، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جو اسلامی جہاد اور غزوات میں سینکڑوں، گھوڑوں اور اونٹوں اور ہزاروں درہم اور دینار سے اور ہزاروں من غلّہ سے امداد کرتے تھے وہ ان فتوحات سے لاکھوں سے گزر کر کروڑوں کے مالک بن گئے جن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دولت و ثروت کے ساتھ ان کی سخاوت بھی ضرب المثل تھی۔ غرباء اور فقراء پر ان کی ذاتی دولت پانی کی طرح بہتی تھی۔ اُن کی سخاوت اپنے ذاتی مال و دولت سے تھی، بیت المال سے نہ تھی۔[1]

❷ اور پھر یہ کہ اُن کا یہ جود و کرم فقط اپنے قبیلہ اور خاندان پر محدود نہ تھا بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے عام تھا، روزانہ غرباء اور فقراء پر خیرات کرتے اور روزانہ مہاجرین اور انصار کی ضیافت کرتے، اور عمدہ عمدہ کھانے کھلاتے اور راہِ خدا میں بے شمار غلام آزاد کرتے۔ خصوصاً جمعہ کے دن ایک غلام ضرور آزاد کرتے اور ظاہر ہے کہ خیرات و مبرات اگر اقارب اور رشتہ داروں پر ہو تو ثواب دُگنا ہو جاتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ مسکین پر خیرات کرنا تنہا صدقہ ہے، اور اقارب کو دینا صدقہ بھی ہے، اور صلہ رحمی بھی ہے، اور قرآن کریم نے اقارب کو دوسرے مصارف پر مقدم رکھا ہے۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی

[1] ایضاً۔ ص: ۱۰۲۔

وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم وجود و بخشش میں بعض مرتبہ قرابت کی وجہ سے قریش کو دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ترجیح دیتے تھے۔

غرض یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان اخراجات اور صدقہ وخیرات کو بیت المال کی طرف منسوب کرنا محض تعصب اور دشمنی ہے۔ خود عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب اس کی بابت پُوچھا گیا تو فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ میرا مایۂ دولت خلافت سے پہلے ہی بہت کافی تھا، اور میرے اخراجات یعنی صدقات اور خیرات کو بھی جانتے ہو، اور یہ جو کچھ تھا اپنے خاص مال سے تھا بیت المال سے نہ تھا، اور کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ اپنے اقارب یا بیٹی کو یا داماد کو بیت المال سے دیا، اور صلہ رحمی سب کے نزدیک محمود اور پسندیدہ خصلت ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ رہا اقارب کا اور احباب کو زمینیں دینے کا مسئلہ سو اس میں بھی معترض نے تدلیس اور مغالطہ سے کام لیا۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتادہ اور خراب زمینیں آباد کرنے کے لئے مسلمانوں کو دیتے تھے جس میں ان کے کچھ اقارب بھی آ گئے مزروعہ اور آباد زمین کسی رشتہ دار کو نہیں دی اور ظاہر ہے کہ افتادہ زمین کو زندہ کرنا ملک کی آبادی اور رزق کی فراخی کا ذریعہ ہے، اور پھر جو اس سے محصول حاصل ہوگا اس سے حکومت کو فائدہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرزِ عمل سے بیت المال کی آمدنی دُگنی ہو گئی۔

نیز مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں شرفاءِ یمن کی ایک جماعت شوقِ جہاد میں اپنے گھر بار چھوڑ کر آئی اور عرض کیا کہ ہم جہاد کے لئے اپنے گھروں اور مزروعہ زمینوں کو چھوڑ کر آئے ہیں ہمیں جہاد کے قریبی محل میں زمین عطا کی جائے تا کہ وہاں رہ کر ہم دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد کے لئے حاضر اور تیار رہیں۔ اس

لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو فارس کی حدود پر جو زمینیں اور علاقے تھے وہ اُن کو دے کر آباد کیا تا کہ ظاہر میں زمیندار اور کاشت کار ہوں، اور باطن میں مجاہد جاں نثار ہوں۔ ے[1]

چشم بر اندیش کہ بر کندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

۴ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اپنے اخیافی بھائی ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی اور امیر مقرر کیا۔[2]

فتنہ پردازوں اور بات بات میں بے بات نکتہ چینی کرنے والوں نے جب یہ اعتراض کیا تو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان الفاظ میں جواب ارشاد فرمایا:

قال عثمان ما وليت الوليد لانه اخي و انما وليت لانه ابن ام حكيم البيضاء عمة رسول الله ﷺ وتوأمة ابيه.[3]

(حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے ولید کو اس لئے والی نہیں بنایا کہ وہ میرا اخیافی بھائی یعنی ماں کے رشتہ سے بھائی ہے بلکہ اس لئے اس کو والی بنایا ہے کہ ولید رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ام حکیم البیضاء کا بیٹا ہے۔ اور یہ ام حکیم رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد عبد اللہ کی جڑواں بہن ہیں جو ان کے ساتھ پیدا ہوئی تھیں)۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانچ سال کوفہ کے امیر اور والی رہے۔ ان کے بے مثال عدل اور انصاف اور بے مثال تواضع اور نرمی اور فقراء و غرباء کی خبر گیری اور

---

[1] تفصیل کے لئے تحفۂ اثناعشریہ (شاہ عبد العزیز دہلوی) ملاحظہ کیجئے۔

[2] منہاج السنہ۔ ۱۹۰،۱۸۹/۳۔

[3] العواصم القواصم۔ ص: ۸۵، ۹۷۔

مہمان نوازی نے محبوب خلائق بنادیا۔ جس مکان میں ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہے تھے اس کا دروازہ ہی نہ تھا تاکہ اہلِ ضرورت اور اربابِ حاجت دن اور رات میں جس وقت چاہیں والی اور گورنر سے بالمشافہ اپنی ضرورت اور شکایت اور درخواست پیش کرسکیں۔

فالستر دون الفاحشات ولا یلقاك دون الخیر من ستر

جا بجا غرباء اور فقراء کے لئے مہمان خانے اور لنگر خانے کھول دئے تھے۔ مہینہ ختم ہونے پر بیت المال میں جس قدر مال ضرورت سے زائد بچتا وہ بچوں اور عورتوں اور غلاموں پر تقسیم کردیتے۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غریبوں اور فقیروں کے حق میں نرم تھے اور اوباشوں اور شریروں کے حق میں سخت اور گرم تھے۔ ملک کے اوباشوں میں ولید کے اس طرز عمل سے کھلبلی پڑگئی، اور مختلف طریقوں سے بارگاہِ خلافت میں ان کی شکایتیں شروع کردیں، اور امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے معزولی کا مطالبہ کیا، اور طرح طرح سے ان کو بدنام کیا۔ بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کیا، اور اُن کے بجائے سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گوشہ نشین ہوگئے، اور اپنی ایک زمین میں جو شہر رقہ سے پندرہ میل دُور تھی وہاں جاکر مقیم ہوگئے۔[1]

نیز ہر امیر اور بادشاہ کو خاص کر فتنہ اور بغاوت کے زمانے میں ایسے وزراء اور حکام کی خاص ضرورت ہوتی ہے جن پر اعتماد اور وثوق کیا جاسکے۔ پس اگر کسی

[1] العواصم من القواصم۔ ص: ۹۴۔۹۶۔ (حواشی)۔

کو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے وزراء اور مشیرین میسر نہ آئیں اور وہ بحالت مجبوری اپنے بعض اقارب کو والی مقرر کردے جن کی خیر خواہی اور ہوشیاری اور دیانت داری پر اطمینان ہو تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔ [1]

پس اسی طرح اگر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعض اقارب کو کچھ عہدے دے دیے تو قابل اعتراض نہیں۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصرہ کا، اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا والی، اور قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ اور طائف کا والی مقرر کیا۔ اور مدینہ کا والی سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اور کہا جاتا ہے کہ ثمامۃ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ اور مصر کا والی اپنے ربیب یعنی پروردہ محمد بن ابی بکر کو بنایا۔ [2]

❺ حکم بن العاص کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلا وطن فرمایا، اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو مدینہ میں آنے کی اجازت دی۔

اوّل تو یہ واقعہ کسی سند [3] صحیح سے ثابت نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اُس کو جلا وطن ہونے کا حکم دیا ہو بلکہ وہ خود اپنے اختیار سے گیا تھا۔ دوم یہ کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا تو بطور تنبیہ یا تعزیر تھا کوئی دائمی حکم نہ تھا۔ زانی اور بدکار کی تعزیب (جلاوطنی) کا حکم بھی احادیث میں ایک سال کے لئے آیا ہے دائمی نہیں۔ اور کسی گناہ و جُرم کی سزا، دائمی جلاوطنی، کتاب و سنت سے کہیں ثابت نہیں کہ مجرم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جلا وطن رہے۔ پھر یہ کہ توبہ کا دروازہ قیامت تک کے لئے کُھلا ہوا ہے، توبہ کے بعد بڑے سے بڑا جرم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ خلیفۂ وقت قصوروار کا سالہا سال کی جلاوطنی کے بعد اگر قصور معاف کر کے جلاوطنی کو منسوخ

[1] منہاج السنہ۔ ۱۹۱/۳۔

[2] ایضاً۔ ۱۷۳/۳۔

[3] ایضاً۔ ۱۸۹/۳۔

کر دے تو شرعاً اس کے لئے جائز ہے۔[1]

نیز یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی کی دائمی جلاوطنی کا حکم دیں اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو واپس بلالیں، اور صحابہ میں سے کوئی شخص عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل پر اعتراض اور انکار نہ کرے کہ آپ ﷺ نے حکم کو مدینہ میں واپس آنے کی کیوں اجازت دی۔[2]

علامہ محمد ابراہیم وزیر یمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ الروض الباسم میں لکھتے ہیں:

ذکر الحاکم المحسن بن کرامۃ المعتزلی المتشیع فی کتابہ شرح العیون ان رسول اللہ ﷺ اذن فی ذلک بعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھذا الجواب مقنع ان صح الحدیث لکنی لم اعرف صحۃ فاما المعتزلۃ والشیعۃ من الزیدیہ وغیرھم فیلزمھم قبولہ وترک الاعتراض علی عثمان بذاک لان راوی الحدیث عندھم من المشاھیر بالثقۃ والعلم وصحۃ العقیدۃ.[3]

(حسن بن کرامہ معتزلی شیعی نے اپنی کتاب شرح العیون میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اجازت دے دی تھی کہ حکم کو واپس بلالیں یہ جواب تشفی بخش ہے بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو لیکن مجھے اس روایت کی صحت کا علم نہیں ہوا، البتہ معتزلہ اور شیعہ زیدیہ کو اس روایت کا قبول کرنا لازم ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ حضرت

---

[1] ایضاً۔ ۱۴۶/۳، ۲۳۵، المنتقی (للذھبی)۔ ص: ۳۹۵۔

[2] منہاج السنہ۔ ۱۹۷/۳۔

[3] ۱۴۱/۱۔

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض ترک کردیں۔ کیوں کہ اُن کے نزدیک اس حدیث کا راوی مشہور ثقہ اور صاحب علم اور صحیح العقیدہ ہے۔ اور اسی طرح تحفہ اثنا عشریہ میں بھی ہے)۔

اور اسی طرح قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں:۔

قال علماؤنا فی جوابه روی فی رد الحکم قد کان اذن له فیه رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم. [1]

(ہمارے علماء اہل سنّت حَکم کی واپسی کے بارہ میں یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس امر کی اجازت دے دی تھی کہ حَکم کو واپس بلالیں)۔

احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مرتد ہوگیا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کا خون مباح فرمادیا تھا کہ جہاں ملے قتل کردیا جائے مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن سعد کو لے کر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی سفارش کی تو اُس کا قصور معاف ہُوا۔ اور ظاہر ہے کہ حَکم کا قصور اور جُرم عبداللہ بن سعد کے جرم سے کم تھا۔ پس اگر عبداللہ بن سعد کا جُرم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش سے معاف ہوسکتا ہے تو حَکم کا جُرم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش سے کیوں مُعاف نہیں ہوسکتا؟۔

اس کے علاوہ اور بھی جوابات ہیں۔ اہل علم منہاج السنۃ کی مراجعت کریں۔

❻ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان جیسے فتنہ پرداز شخص کو اپنا خاص پیش کار اور خاص کارپرداز کیوں بنایا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے محمد

[1] العواصم من القواصم۔ ص: ۷۷۔

بن ابی بکر کے بارے میں صریح مکر کیا کہ بجائے اقبلوہ کے اقتلوہ لکھ دیا جو راستہ میں پکڑا گیا اور لوگوں کا مطالبہ یہ تھا کہ مروان ان کے حوالے کیا جائے تو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو اُن کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

یہ خط سراسر جعلی تھا جس کو فتنہ پردازوں اور باغیوں کے سرغنوں نے تیار کیا تھا۔ مصر اور عراق کے بلوائی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شافی جوابات سے مطمئن ہو گئے، اور مصری مصر کی طرف واپس ہوئے اور عراقی عراق کی طرف واپس ہوئے تو بلوائیوں کے دو سرغنہ اشتر اور حکیم بن جبلہ مدینہ (میں) رہ گئے، اور اپنے اپنے شہر کو واپس نہ ہوئے، اور مصر اور عراق کے قافلوں کی واپسی کے بعد دو خط تیار کئے اور دو سواروں کے ہاتھ روانہ کئے ایک خط حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے والی مصر کے نام بنایا جس میں یہ مضمون تھا کہ محمد بن ابی بکر کو قتل کر دو۔ اس خط پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مُہر تھی۔ اور دوسرا خط حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اہل عراق کے قافلہ کے نام لکھا گیا۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ عراق والے مدینہ واپس آ جائیں۔ اس خط پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہر تھی۔

یہ دونوں خط دونوں قافلوں یعنی مصری اور عراقی قافلہ کو بیک وقت ملے اور دونوں قافلے بیک وقت مدینہ واپس پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکابر صحابہ مفسدین کے دونوں قافلوں کے معاً واپسی کو دیکھ کر حیران ہو گئے، اور ان مفسدین سے پُوچھا کہ تم کیسے اور کیوں واپس آئے؟۔ جماعتِ مصر نے اس خط کا ذکر کیا جو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جاری ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعتِ عراق کی طرف ملتفت ہو کر سوال کیا کہ تم لوگ کیوں واپس آئے؟۔ اہل عراق نے کہا کہ کیا آپ نے ہم کو واپسی کے متعلق خط نہیں لکھا کہ جس میں آپ

---

[1] منہاج السنہ ۔۳/۱۳۱، ۱۸۸، ۱۹۷۔

نے ہم کو یہ حکم دیا تھا کہ مدینہ واپس آ جاؤ۔ اس لئے ہم آپ کے حکم کے مطابق راستہ ہی سے مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! میں نے تم کو کوئی خط نہیں لکھا، اور نہ مجھے اس کا کوئی علم ہے۔

معترضین بتلائیں کہ اگر بالفرض مروان نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کوئی تحریر لکھ دی اور اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہر بھی لگا دی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کس نے خط لکھ دیا، اور کس نے اس خط پر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہر لگا دی؟۔ معلوم ہُوا کہ دونوں خط جعلی تھے۔ [۱]

اور انہی مفسدین نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرف سے بھی کچھ خطوط بنائے۔ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت اور اُن کے عمال اور حکام کی شکایت تھی اور یہ فتنہ پرداز ازواج مطہرات کے ان جعلی خطوط کو لوگوں کو سُنا سُنا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ملک میں ہیجان پیدا کرتے تھے۔ [۲]

اور روافض کو معلوم ہے کہ مروان ثقہ ہے، امام زین العابدین نے اُس سے روایت کی ہے۔

اہلِ سنت کے نزدیک تو مروان کی ثقاہت اور عدالت معلوم اور معروف ہے۔ سعید بن المسیب اور مدینہ منورہ کے بقیہ فقہاء سبعہ نے مروان سے روایت کی ہے، اور عروہ بن زبیر کی روایت مروان سے صحیح بخاری کی کتاب الوکالہ میں موجود ہے، اور مسند احمد میں بھی متعدد جگہ مذکور ہے۔ [۳]

چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

حیرت کا مقام ہے کہ ان فتنہ پردازوں نے خود ہی تو مروان کے نام سے ایک

۱۔ المنتقی (ذہبی)۔ص: ۳۷۷، ۳۷۹۔

۲۔ العواصم من القواصم۔ص: ۱۰۹، ۱۱۰۔

۳۔ المنتقی۔ص: ۳۷۷۔ (حواشی)۔

جعلی خط تیار کیا، اور پھر اسی خط کو لا کر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سامنے پیش کر کے مروان کے قتل کا مطالبہ کیا۔

فقد قالهم عثمان اما ان تقيموا شاهدين علىٰ ذٰلك والا فيميني انى ما كتبت ولا امرت وقد يكتب علىٰ لِسان الرجل ويضرب علىٰ خطه وينقش علىٰ خاتمه فقالو لتسلم لنا مروان فقال لا افعل ولو سلمه لكان ظالما .[1]

(عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ یا تو اس پر دو گواہ پیش کرو کہ یہ تحریر اور خط میرے قلم کا ہے ورنہ مجھ سے قسم لے لو کہ خدا کی قسم یہ خط نہ میں نے لکھا اور نہ میں نے اس کا حکم دیا۔ بسا اوقات انسان کی طرف سے فرضی خط بھی لکھ لیا جاتا ہے، اور اس کی مہر بھی اس پر لگا لی جاتی ہے۔ مفسدین نے کہا، کہ آپ مروان کو ہمارے حوالے کر دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بغیر ثبوت اور شہادت کے میں ایسا نہیں کروں گا، اور اگر بالفرض و التقدیر محض مفسدین کے مطالبہ پر بلا کسی ثبوت کے مروان کو ان کے حوالے کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا)۔

وانما عليهم ان يطلبوا حقهم عنده علىٰ مروان وسواه فما ثبت كان منفده واخذه والممكن لم ياخذ بالحق ومع سابقة وفضيلة ومكانته لم يثبت عليه ما يوجب خلفه فضلا من قتله كذا.[2]

---

[1] العواصم من القواصم۔ ص: صفحہ/؟۔

[2] ایضاً۔

(ان کا فرض یہ تھا کہ مروان پر جو اُن کا حق اور دعویٰ تھا وہ پیش کرتے اگر ثابت ہوجاتا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کو جاری اور نافذ فرماتے لیکن مروان پر کوئی ایسی بات بھی ثابت نہ ہوسکی جو اس کی معزولی کا سبب بن سکتی۔ چہ جائیکہ اس کے قتل کا موجب ہوتی)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا کہ بخدا نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے اور نہ مجھ کو اس کا علم ہے، اور نہ میں نے لکھنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اپنے ہی دشمنوں اور قاتلوں کے قتل کی اجازت نہ دی وہ دُوسروں کے قتل کا کیسے حکم دیتے۔

۷ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک بدعت کا ارتکاب کیا کہ جمعہ کے دن اذان ثانی کا اضافہ کیا۔

تمام صحابۂ کرام مہاجرین اور انصار نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کو مستحب اور مستحسن سمجھا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی موافقت فرمائی، حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس اذان ثانی کو برقرار رکھا اور اسی پر تمام مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیس رکعت سُنت تراویح پر تمام صحابہ نے موافقت کی، اور ائمۂ مجتہدین نے اس کو اپنا مسلک قرار دیا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اذانِ ثانی اور بیس رکعت تراویح کی سُنت برابر جاری رہی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اگر چاہتے تو اپنے دورِ خلافت میں اذان ثانی اور تراویح کو ممنوع قرار دے سکتے تھے۔ اذان ثانی اور تراویح کا موقوف کردینا محاربۂ صفین سے زیادہ دشوار نہ تھا۔[۱]

---

[۱] المنتقی ص ۳۹۹ ۔ص. صحفہ نمبر؟ منہاج السنہ۔ ۳/ ۲۰۴۔

اضافہ:

❽ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کیا، اور ان کو ایک غیر معروف گاؤں رَبَذَہ میں نظر بند کردیا۔ حالانکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی ان کا رتبہ بلند تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام سے تشبیہ دی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی سلام سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا تھا۔[۱]

جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں دولت و ثروت کی فراوانی نہیں ہوئی۔ کم و بیش یہی حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ڈھائی سالہ دورِ خلافت میں رہا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد خلافت ساڑھے دس سال پر محیط ہے۔ اس عرصے میں کثرت سے فتوحات ہوئیں، عراق، شام اور ایران مکمل طور پر مسلمانوں کی عمل داری میں آئے، دولت و ثروت کی بھی فراوانی ہوئی لیکن اس کے باوجود معاشرہ سادہ رہا، صحابہ اور تابعین میں بھی بہت سے لوگ دولت مند اور متمول تھے۔ لیکن انہوں نے اس دولت کو اپنی عیش و عشرت کا ذریعہ نہیں بنایا، وہ اسلام اور مسلمانوں کی پوری دریا دلی کے ساتھ خدمت کرتے تھے، قرآن اور سنتِ رسول نے ان کی دولت میں مسلمانوں کے جو حقوق معین کردیئے تھے، اور وہ انہیں خوش دلی کے ساتھ ادا

[۱] (اعتراض نمبر: ۸۔ کا جواب ناچیز راقم (محمد میاں صدیقی) کی طرف سے اضافہ ہے۔ یہ اصل کتاب میں نہیں تھا۔ اس کا ذکر پیش لفظ میں موجود ہے، کہ یہ اضافہ والد مرحوم (مصنف) کی خواہش کے مطابق کیا گیا ہے)۔

کرتے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات کا دائرہ اور وسیع ہوا، افریقہ میں شمال مغرب تک، اور وسطی ایشیا میں افغانستان تک اسلامی حکومت کے حدود پھیل گئے۔ معاشرے میں اب تک جو سادگی چل آرہی تھی وہ آہستہ آہستہ ختم ہوگئی، دیہاتی معاشرہ شہری معاشرے میں تبدیل ہوگیا، جو علاقے فتح کئے ان میں زمینداری اور جاگیرداری نظام پہلے سے رائج تھا، جو صاحبِ دولت وثروت تھے وہ عیش وعشرت کے دل دادہ، اور راحت طلب بھی تھے، اور غریبوں اور محنت کشوں کی محنت وجفاکش کا پھل خود کھانے کے عادی بھی۔

ان حالات میں جو کچھ ہوتا ہے وہی ہوا۔ ملک میں طبقاتی کشمکش پیدا ہوگئی، زندگی کی آسائشوں اور سہولتوں سے محروم طبقے نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ ہمارے بل بوتے پر راحت وآسائش کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اور ہم بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہیں تو ان کے دلوں میں مال دار طبقے کے خلاف غصّے اور نفرت کی چنگاریاں بھڑکنی شروع ہوگئیں۔ ان حالات میں وہ لوگ جو حکومت یا مراعات یافتہ طبقے کے خلاف ہوتے ہیں، بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا منشاء ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ اصلاحِ احوال کی کوشش کی جائے بلکہ وہ اپنی تمام تر توانیاں دونوں طبقوں کو آپس میں لڑانے، یا حکومتِ وقت کو ناکام کرنے پر صرف کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ درویش صفت اور تارک الدنیا تھے، وہ سرے سے دولت کمانے اور جمع کرنے ہی کو ناجائز سمجھتے تھے، خواہ اس کی زکوٰۃ ادا کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ ان کا مسلک تھا کہ ایک شخص کو صرف اس حد تک اپنے پاس رکھنے کا حق ہے جس سے اس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ ان کا نظریہ قرآن کریم کی ان آیات پر مبنی تھا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ. تا۔ فَذُوْقُوْا مَا

كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ.[۱]

(اور جو لوگ سونا چاندی سیٹت سیٹت کر رکھتے ہیں، اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، آپ ﷺ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، جو اس دن ہوگا جب ان کے سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، اور اس سے ان کی پیشانیوں کو، اور ان کے پہلوؤں کو، اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) لو، یہ ہے وہ جس کو تم اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا، اب اس کا مزہ چکھو)۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ.[۲]

(اے پیغمبر ﷺ! لوگ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟۔ آپ ﷺ اُن سے کہہ دیجئے کہ جو بھی (ضرورت سے) زائد ہو)۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، دو صدیقی دورِ فاروقی میں دیہات میں رہے، حضرت جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو دمشق میں رہائش پذیر ہوگئے۔ تہذیب و تمدن کا مرکز ہونے کے علاوہ شام میں مال و دولت کی فراوانی بھی تھی۔ یہاں غربت و امارت کا فرق زیادہ نمایاں تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ کچھ لوگ تو راحت و آسائش کی زندگی بسر کریں، اور کچھ لوگ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی

---

[۱] القرآن: ۹ (التوبہ) ۳۴۔

[۲] القرآن: ۹ (التوبہ) ۳۴۔

محروم ہوں۔ ان کا خیال تھا کہ امراء کما حقہٗ وہ حق ادا نہیں کر رہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال میں غریبوں اور بے کسوں کا مقرر کر دیا ہے۔ وہ امیروں کے پاس جاتے، اور کہتے کہ غریبوں کا حق ادا کرو، تم اپنی ضرورت سے زائد کوئی چیز اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ نظریہ اور تحریک اگرچہ خلوص پر مبنی تھی، اور ان کے پیش نظر کوئی سیاسی مقاصد نہ تھے مگر اس سے مفاد پرستوں، اور ان طاقتوں نے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا جو اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھیں، اور جن کی کوشش تھی کہ وہ اس اسلامی اتحاد میں رخنہ ڈالیں جس کی بدولت مسلمان پچیس برس کی مختصر مدت میں آدھی دنیا پر چھا گئے، اور انہوں نے اس وقت کی دو بڑی طاقتوں کو پامال کر دیا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ غریبوں اور ضرورت مندوں نے اہلِ دولت و ثروت سے اپنا حق وصول کرنے کے لئے ان پر دست درازی شروع کر دی، اس سے بے چینی کی فضا پیدا ہوئی، لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی، ان کی شکایت ایک حد تک بجا تھی۔ کیوں کہ اسلام اس بات کی تو ضرور تاکید کرتا ہے کہ جس کے مال و دولت میں دوسروں کا حق ہے وہ اسے بلا حیل و حجت ادا کرے۔ لیکن حق والے کو یہ اجازت کسی صورت نہیں دیتا کہ وہ لوگوں سے زبردستی اپنا حق وصول کرے۔ اس سے معاشرے میں فساد پیدا ہوگا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی زیرک اور نکتہ رس حکمراں تھے۔ انہوں نے از خود کوئی کارروائی کرنے کے بجائے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ: ''ابوذر نے میرے لئے مشکلات پیدا کر دی ہیں، وہ جن نظریات کی تبلیغ کر رہے

ہیں، ان سے باہمی نفرت اور فساد کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، بتایا جائے کہ ہم ان کے بارے میں کیا رویہ اختیار کریں''؟۔

یہ ۳۰ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو جواب دیا وہ ان کی اعلیٰ ترین فہم وفراست، تدبر اور دانائی کا غماز ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ: ''فتنہ نے اپنی سونڈھ ہلانی شروع کردی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم اغماض اور نرمی سے کام لو، زخم مت کریدو، ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک رہنما اور سامانِ سفر دے کر میرے پاس روانہ کردو۔ اور دیکھو ایسی صورت پیدا نہ ہونے دینا کہ ان کے اور لوگوں کے درمیان کوئی تصادم ہوجائے''۔

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم کی تعمیل کی، اور حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ روانہ کردیا۔ لیکن مدینہ، اب وہ مدینہ نہیں تھا جو عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، اور عہدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تھا۔ یہاں بھی اب وہ پہلی سی سادگی اور فقر وفاقہ کا ماحول نہ تھا۔ مدینہ عظیم تر اسلامی حکومت کا صدر مقام تھا، فتوحات کی کثرت اور دولت کی فراوانی سے اس کے ماحول کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ یہاں بھی اب بڑے بڑے مکانات اور حویلیاں تعمیر ہوگئی تھیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رنگ دیکھا تو بولے: اے مدینہ والو! ڈرو اس لوٹ مار اور ضرب وحرب سے جس کا ہنگامہ یہاں بپا ہونے والا ہے''۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ۔ کیا بات ہے شام کے لوگ آپ کی شکایت کرتے ہیں؟۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میرا کہنا یہ ہے کہ لوگوں کے پاس جو مال ودولت ہے اسے یوں نہ کہو کہ یہ اللہ کا مال ہے، بلکہ یہ کہو کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے، مال

جمع کرنا جائز نہیں ہے، جس کے پاس جو کچھ ہے، وہ اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کردے''۔

''حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں، میرا جو فرض ہے، میں اُسے ادا کروں گا، اور جس شخص کا جو حق ہے وہ اُسے دلاؤں گا، میں لوگوں کو زہد پر مجبور نہیں کروں گا، بلکہ ان کو اعتدال اور میانہ روی کی دعوت دوں گا''۔

جمہور صحابہ بھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظریے کے حامی نہ تھے، ان کی نظر اس بات پر تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حتیٰ کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بھی یہ کسی نے نہیں کہا کہ حق دار اپنا حق دوسروں سے زبردستی وصول کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں بھی کئی مال دار صحابہ تھے، جن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سرِ فہرست تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان سے یہ نہیں کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے، اسے غریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کردو۔ قرآن اور سنت نے اُن کے اموال میں جو حق مقرر کئے تھے، وہ یہ ادا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو جب بھی کسی مالی تعاون کی ضرورت ہوتی وہ یہ حضرات سب سے پیش پیش ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مالی تعاون سے خوش ہوتے۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجاہدین کی جو غیر معمولی نوعیت کی مدد کی تھی، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر مسرت کا اظہار کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جو دعاء کی تھی وہ تاریخ اسلام کا ایک سنہرا باب ہے۔ اگر سب صحابہ خالی ہاتھ ہوتے تو پھر اس نازک موقعہ پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور مجاہدین کی مدد کیسے کرتے۔

بہر حال صورت حال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدینہ میں بھی رہنا دشوار تھا اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے وہ ربذہ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا، چلے گئے۔ اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی رہائش اور بود و باش کا بہتر انتظام کیا، دو خادم، اور چند اونٹ دیئے۔ اور درخواست کی کہ وقتاً فوقتاً مدینہ آتے رہیں۔ چنانچہ مدینہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد و رفت جاری رہی۔

اسی دوران ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا، حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ آئے ہوئے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ کہنے لگے: جو لوگ صرف زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، یہ ان کے لئے کافی نہیں ہے۔ انہیں اپنے عزیز و اقارب اور ہم سایوں کی مالی مدد بھی کرنی چاہئے"۔ کعب احبار بھی اسی مجلس میں موجود تھے۔ وہ بولے: جس شخص نے زکوٰۃ ادا کردی، اس نے فرض ادا کردیا، یہ سُن کر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آگیا، انہوں نے اپنی سپُر اٹھائی اور کعب احبار کے ماری، اس سے وہ زخمی ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے سپُر لے لی، اور فرمایا: ابو ذر! اپنی زبان اور ہاتھ کو قابو میں رکھو"! ۔[1]

یہ ہے حقیت حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلا وطنی کی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے حد متحمل مزاج تھے، ان کا حلم اور عفو درگزر تو ضرب المثل ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اس طرح کی انتہا پسندانہ رائے اور رویے کا

[1] تاریخ طبری۔ ۴/ ۲۸۳، ۲۸۴۔

مظاہرہ کسی اور خلیفہ کے دور میں کرتے تو یقیناً ان کا رویہ اور فیصلہ ان کے بارے میں مختلف ہوتا۔ کیونکہ ان کا نظریہ اجماع کے خلاف تھا۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ: اللہ کی قسم، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرگز جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ابوذر! جب مدینہ کی تعمیرات سلع تک پہنچ جائیں تو تم مدینہ چھوڑ دینا"۔

ایک شخص نے امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا کہ کیا حضرت عثمان نے حضرت ابوذر کو جلاوطن کیا تھا؟۔ تو انہوں نے فرمایا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، وہ کس لئے انہیں جلاوطن کرتے۔[1] (اضافہ ختم ہوا)۔

[1] سیر اعلام النبلاء۔ ۲/ ۵۰، ۵۲۔ نیز دیکھئے: الملل والنحل۔ شہرستانی۔ ۱/ ۲۰۴، قرۃ العینین۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ص: ۲۲۰۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی افضلیّت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ [1] تمام صحابہٗ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل و اکمل تھے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ماہ ذی الحجہ الحرام ۳۵ھ میں مدینہ منورہ میں تمام مہاجرین و انصار نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کی بیعت کو لکھ کر تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیا گیا۔ سب نے اطاعت قبول کی سوائے اہلِ شام کے کہ اُنہوں نے بیعت نہیں کی۔ [2]

قال ابو عمر فی الاستیعاب بویع لعلی بالخلافة یوم قتل عثمان واجمع علٰی بیعته المهاجرون والانصار وتخلف عن بیعته نفر منهم فلم یهجهم ولم یکرهم وسئل عنهم فقال اولٰئك قوم قعدوا عن الحق ولم یقوموا مع الباطل وفی روایة اُخرٰی اولٰئك قوم خذلوا الحق ولم ینصروا الباطل.

(حافظ ابو عمر بن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت اسی دن ہُوئی کہ جس دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کئے گئے اور تمام مہاجرین اور انصار نے بالاتفاق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ صرف چند نفر ایسے تھے کہ جنہوں نے بیعت نہیں کی لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] اکثر علماء اہلِ سُنت لفظ کرم اللہ وجہہٗ خاص حضرت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ دیگر صحابہ کے لئے استعمال نہیں کرتے۔ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ خبیث خوارج حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سود اللہ وجہہ کے لفظ سے ذکر کرتے تھے۔ اس لئے اہلِ سنت نے اُن کے برخلاف کرم اللہ وجہہٗ مقرر کیا۔ (م۔م۔ص)۔

[2] فتح الباری۔ ۱۵۸/۷ (مناقب علی)۔

نے ان لوگوں پر کوئی سختی نہیں کی، اور نہ کوئی زور ڈالا کہ جبر و اکراہ سے بیعت لیتے اور جب اس نفر کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ حق کی حمایت سے بیٹھ گئے، اور باطل کے ساتھ کھڑے نہیں ہوئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا کہ یہ لوگ حق کی نصرت اور اعانت سے علیحدہ رہے اور باطل کی بھی مدد نہیں کی)۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اگرچہ خلافت چھ آدمیوں میں دائر تھی مگر اخیر میں صرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں دائر رہ گئی تھی۔ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا کسی اختلاف کے خلیفہ مقرر ہو گئے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاء ثلاثہ کے وزیر و مشیر رہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانۂ خلافت میں فتنہ پردازوں نے ہر چند چاہا کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کر کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنائیں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی طرح اس کو منظور نہیں کیا، اور اُن کے دھوکہ میں نہیں آئے بلکہ باغیوں کے مقابلہ میں اپنے بیٹے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کے لئے دروازہ پر مقرر کیا اور خود ممکن طریقہ سے باغیوں کو سمجھاتے رہے۔ غرض یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت بالاتفاق اہل حل وعقد کی بیعت سے منعقد ہوئی، بالاتفاق مہاجرین اور انصار اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب نے بیعت کی، اور بعد میں حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو اختلاف کیا وہ استحقاق خلافت کے بارے میں نہ تھا بلکہ

---

[1] ازالۃ الخفاء؟ قرۃ العینین ص۔ ۲۸۰۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے بارے میں تھا۔ یہ لوگ قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فوری طور پر قصاص لینا چاہتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں تاخیر فرمائی، اور علیٰ ہذا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو لڑائی ہوئی وہ بھی خلافت کے بارے میں نہ تھی۔ اس کا تعلق بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص ہی سے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے تاخیر کی وجہ یہ ہوئی کہ باغیوں کی جماعت کی کثرت اور قوت کی بناء پر فی الفور قصاص لینا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدرت میں نہ تھا۔ نیز قاتل کوئی متعین نہ تھا۔ ایک جماعت اس میں ملوّث تھی، نیز یہ لوگ محض قاتل نہ تھے بلکہ باغی تھے اور باغی اور قاتل کے احکام شریعت میں مختلف ہیں۔ سو عجب نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گمان فرمایا ہو کہ یہ لوگ خلیفۂ برحق یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باغی تھے اور اب ان کی شہادت کے بعد جب دوسرے خلیفہ خلیفۂ برحق کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں تو اب باغی نہیں رہے، اور باغی جماعت زمانۂ بغاوت میں اگر کوئی کشت وخون اور جانی و مالی نقصان کرے تو بغاوت سے تائب ہو جانے کے بعد شرعاً اس پر مؤاخذہ نہیں۔ جیسے کفر سے تائب ہو جانے کے بعد شرعاً اس پر مواخذہ نہیں ہے کہ جو قبل از اسلام سرزد ہو چکے ہیں۔

كما قال تعالىٰ اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ.[1]

(اگر یہ لوگ کفر سے باز آجائیں گے تو ان کے سارے گناہ جو اسلام سے پہلے ہو چکے، معاف کر دیئے جائیں گے)۔

---

[1] القرآن: ۸ (انفال) ۳۸۔

"والاسلام یھدم ما کان قبلہ"۔[1]

(اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو ختم کردیتا ہے)۔

عدمِ انتظام خلافتِ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں خلافت منظّم نہ ہوئی اور طرح طرح کے فتنے اور خرخشے پیش آئے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ خلافتِ خاصہ وحقہ کے صفات کاملہ اور خلافتِ راشدہ کے کمالات فاضلہ سے موصوف نہ تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حق تعالٰی نے حوادث خیر وشر کو مختلف اوقات زمانوں پر تقسیم کیا ہے، اور عالم غیب میں ہر واقعہ کے حدوث کے لئے ایک خاص وقت مقرر فرمایا ہے تا کہ ابتلاء اور امتحان کی حکمت ظہور پذیر ہو۔ بنی اسرائیل کی نسبت حق تعالٰی کا ارشاد ہے:

وَقَضَيْنَا اِلٰى بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ فِى الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔[2]

(ہم نے بنی اسرائیل کو اپنی کتاب میں یہ بات بتادی تھی کہ تم زمین میں دو بار خرابی کرو گے، اور بڑا زور چلانے لگو گے)۔

اسی طرح حق تعالٰی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بندوں کو آگاہ فرمایا کہ آپ کے بعد خلافت کب تک قائم رہے گی، اور کیا کیا تغیرات اور حوادث اور فتن پیش آئیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق وہ حوادث اور فتن مختلف اوقات میں واقع ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] قرۃ العینین۔ ص:۲۷۹۔

[2] القرآن: ۱۷ (الاسراء) ۴۰۔

کے متعلق ابتلاء اور فتنہ کی خبر دی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق خبر دی کہ اُمت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر متفق نہ ہوگی، اور اس سے اپنی آزردگی ظاہر فرمادی۔

اخرج الطبرانی وابو نعیم عن جابر بن سمرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لعلّی انك مؤمر مستخلف وانك مقتول وان ھذہٖ مخضوبة من ھذہٖ یعنی لحیته من رأسه.[1]

(طبرانی اور ابونعیم نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمایا کہ تم امیر اور خلیفہ بنائے جاؤ گے، اور تم مقتول ہوگے، اور تمہاری یہ داڑھی سر کے خون میں رنگین ہوگی)۔

واخرج الحاکم عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مما عھد الی النبی ﷺ ان الامة ستقذرنی بعدہٖ.

(اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ رسول خدا ﷺ نے مُجھ سے جن باتوں کا عہد لیا ہے ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ایک وقت آئے گا مسلمانوں کی جماعت مجھے بُرا جانے گی)۔

واخرج الحاکم عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ لعلی اما انك ستلقی بعدی جُھدا قال فی سلامة من

---

[1] ازالۃ الخفا۔ ۲/۲۷۵۔

دینی قال فی سلامة من دینك.[1]

(اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمایا کہ تو میرے بعد بڑی جُہد اور مشقت میں مبتلا ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ کیا میرے دین کی سلامتی کے ساتھ یعنی کیا اس مشقت میں میرا دین بھی صحیح سالم رہے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تمہارے دین کی سلامتی کے ساتھ یعنی اُس مشقت میں تمہارا دین بالکل صحیح و سالم رہے گا)۔

واخرج احمد عن علی قال قیل یا رسول اللّٰہ من نؤمر بعدك قال اِن تؤمروا ابابکر تجدوہ ھادیا امینا زاھدا فی الدنیا راغبا فی الاٰخرة وان تومروا عمر تجدوہ قویا امینا لا یخاف فی اللّٰہ لومة لائم وان تؤمر علیا ولا اراکم فاعلین تجدوہ ھادیا مھدیا یاخذبکم الطریق المستقیم.[2]

(امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ابوبکر کو خلیفہ بناؤ گے تو تم ان کو ہدایت کرنے والا امانت دار دُنیا سے بے رغبت اور بے تعلق اور آخرت کا راغب اور طلب گار پاؤ گے، اور اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بناؤ گے تو

[1] ایضاً۔

[2] ایضاً۔

ان کو قوی اور امانت دار اور خدا کے معاملہ میں کسی ملامت سے نہ ڈرنے والا پاؤ گے، اور اگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلفیہ بناؤ گے اور مجھے امید نہیں کہ تم ایسا کرو گے تو تم ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے کہ وہ تم کو ٹھیک سیدھے راستہ پر لے چلے گا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد **ولا اراکم فاعلین** میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت منظّم نہ ہوگی، اور رعیت اُن کی کما حقہ اطاعت نہ کرے گی ایسی خلافت نہ ہونے کے حکم میں ہے، اس لئے **ولا اراکم فاعلین** فرمایا اور **تجدوہ هادیا مهدیا الخ** میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت حق پر ہوں گے اور جو اُن کا متبع اور پیرو ہوگا وہ بھی صراط مستقیم پر ہوگا۔ مطلب یہ ہُوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں خلافت راشدہ کے علی وجہ الکمال والتمام اہل اور مستحق ہوں گے مگر اُمت اُن پر متفق نہ ہوگی۔

اور جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آزردہ خاطر ہوکر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے، اور اُن صحابہ کی آزردگی بھی بوجہ شکایت تھی ورنہ حضرت امیر کی اہلیت خلافت اور اُن کی افضلیت سے ان صحابہ کو بھی انکار نہ تھا خود انہی صحابہ سے حضرت امیر کے مناقب اور فضائل میں بکثرت روایات مروی ہیں اور صحابۂ کرام خواہ کسی جانب رہے مگر حضرت امیر کے فضائل اور مناقب شائع کرنے میں کسی نے دریغ نہیں کیا۔ البتہ بعض صحابہ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ اور اسامہ بن زید اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کمال ورع اور غایت احتیاط کی بناء پر اہل اسلام کی لڑائی میں کسی جانب بھی شریک نہیں ہوئے، اور ایسے حضرات کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی معذور سمجھا اور ان کے حق میں یہ فرمایا:

هٰولاء قعدوا عن الباطل ولم یقوموا مع الحق.

(یہ لوگ باطل اور ناحق کی مدد کرنے سے بھی علیحدہ بیٹھے رہے، اور امر حق کی مدد کرنے کے لئے بھی کھڑے نہ ہوئے)۔

نکتہ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر جمع کیوں نہ ہوئے، اور آپ سے تنفر کا کیا سبب ہُوا؟ تو فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق بات کے اظہار میں کِسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے، اور کِسی بات میں مداہنت کو روا نہ رکھتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زاہد تھے، اور زاہد کا دنیا داروں سے مل ملاپ نہیں ہوسکتا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم تھے، اور عالم کِسی کی خوشامد نہیں کرتا اور شجاع اور بہادر تھے، اور بہادر کسی سے ڈرتا نہیں۔ اور شریف تھے، اور شریف کِسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لئے لوگ آپ سے دُور اور متنفر رہے۔[1]

نکتۂ دیگر: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فتوحات اسلام کا سلسلہ بالکل بند رہا، معاذ اللہ حضرت علی کی اہلیت اور شجاعت اور سیاست میں کوئی کمی نہ تھی، عالم اسباب میں سوائے باہمی اختلافات کے اور کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔ حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ صحابہ حضرت امیر کے مخالف تھے، اور آپ کا خلیفہ ہونا نہیں چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے قصداً آپ کی خلافت میں رخنہ ڈالنے کے لئے بغاوت اور فتنہ اور فساد برپا کر رکھا تھا، اور پہلے تینوں خلفاء کے جان و مال سے معاون رہے، اور شریک حال رہے پس یہی اشخاص جناب امیر کے زمانہ میں فتوحات نہ ہونے کا باعث ہوئے۔

[1] تکمیل الایمان (شیخ عبدالحق دہلوی)۔

جواب

یہ سراسر غیر معقول ہے۔ اس صورت میں ایک مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ تمام صحابہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء ثلاثہ کے تو دل و جان سے معاون اور مددگار رہے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سوائے دو، چار شخصوں کے کوئی بھی موافق نہ رہا۔ سوائے دو، چار کے سب ہی مخالف ہو گئے۔ ضرور ہے کہ ان بزرگوں میں کوئی کمال تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہ تھا، اور حضرت امیر کی ذات میں کوئی بات ایسی ضرور تھی جس کی وجہ سے سب مخالف بن گئے۔

نیز اگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالف ہوتے تو آپ کو خلیفہ ہی نہ بننے دیتے جیسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوتے ہوئے کسی کو خلیفہ نہیں بننے دیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے وہ مہاجرین اور انصار ہی کے اتفاق سے مقرر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شجاعت اور قوت ظاہری و باطنی سے خلیفہ نہیں بنے۔ صحابہ اگر چاہتے تو حضرت امیر کو خلفیہ ہی نہ ہونے دیتے، اور اُن کو خلیفہ بنا کر فتنہ اور فساد اور بغاوت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور اگر حضرات شیعہ یہ کہیں کہ حضرت امیر کے زمانہ میں فتوحات نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس علیم و حکیم نے اپنی حکمتِ کاملہ سے یہی مقدر فرمایا تھا تو اہل سنت عرض کریں گے کہ درست ہے۔ خداوند علیم و حکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے یہی مقدر فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ثلاثہ علی الترتیب خلیفہ ہوں، اور عرب و عجم اُن کے ہاتھ پر فتح ہو، اور مشرق و مغرب کا خراج حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مدینہ منورہ کے بیت المال میں آ کر جمع ہو، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مال کو مسلمانوں پر خرچ کریں۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ.

نکتہ: جس طرح احادیثِ کثیرہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ امت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مجتمع اور متفق نہ ہوگی، اسی طرح احادیثِ کثیرہ سے یہ مضمون ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں ہادی اور مہدی ہوں گے، اور مسلمانوں کو سیدھے راستہ پر لے جائیں گے، اور حق ان کے ساتھ ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جدھر ہوں گے حق بھی ادھر ہوگا، اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

من فارقك يا علي فارقني اخرجه الحاكم عن ابي ذر.

(اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جو تجھ سے جُدا ہُوا وہ مجھ سے جُدا ہُوا۔ اس حدیث کو حاکم نے ابوذر سے روایت کیا)۔

اس بناء پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خلافت سے دستبردار نہ ہوئے، اور اپنی مقدرت کے مطابق اس کے استحکام میں پوری کوشش کرتے رہے تاکہ قیامت کے دن خلفاء راشدین کے زمرہ میں مبعوث ہوں جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کہ لوگوں کے شور وغوغا کی وجہ سے دست بردار نہ ہوئے۔ اس لئے کہ حضرت علی المرتضٰی کو یقین تھا کہ میں حق پر ہوں کوئی وجہ نہیں کہ میں بلاوجہ حق سے دستبردار ہو جاؤں، رہا لوگوں کا تشتت اور افتراق اور امام برحق پر مجتمع نہ ہونا ہو اس کے متعلق وہ جانتے تھے کہ قضاء وقدر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ امت مجھ پر جمع نہ ہوگی۔ لیکن یہ امر تکوینی ہے جس کا بندہ مکلف نہیں۔ اور خلافت حقہ کی استحکام میں سعی اور کوشش کرنا یہ امر تشریعی ہے۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امر تکوینی کی وجہ سے امر تشریعی کی جدوجہد میں کوئی کمی نہیں کی۔ ما بندۂ عبودیت شعاریم مارا با فتح وشکست چہ کار۔

نبی کو اگر بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائیں گے اور مجھ کو قتل کر دیں گے تو اللہ کا نبی باوجود اس علم کے تبلیغ اور دعوت حق

میں کمی نہیں کرتا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اس علم کے کہ امت مجھ پر مجتمع اور متفق نہ ہوگی، اور مجھ کو قتل کرے گی۔ احکام شریعت کے اجراء اور تنفیذ میں کوئی کمی نہیں کی، اور علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت کے متعلق متعدد امور کی خبر دی، منجملہ اُن کے ظہور خوارج اور روافض کی خبر دی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دو گروہ افراط اور تفریط کرنے پیدا ہوں گے۔

اخرج الحاکم عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دعانی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا علی ان فیك من عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام مثلا البغضۃ الیھود حتی بھتوا امہ واحبتہ النصاری حتی انزلوہ بالمنزلۃ التی لیس لھا قال وقال علی الا وانہ یھلك فی محب مطری بما لیس فی و مبغض مفتری یحملہ شنأنی علٰی ان یبھتنی الا وانی لست بنبی ولا یوحٰی الیّ ولٰکنی اعمل بکتاب اللّٰہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما استطعت فما امرتکم بہ من طاعۃ اللّٰہ فحق علیکم طاعتی مما اجبتم او کرھتم وما امرتکم بمعصیۃ انا وغیری فلا طاعۃ لا حسد فی معصیۃ اللّٰہِ عزوجل وانما الطاعۃ فی المعروف. [1]

(حاکم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ ایک دن مُجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بُلایا اور یہ فرمایا کہ اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھ میں کُچھ مشابہت حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ہے۔

[1] ازالۃ الخفاء۔ ۲۷۹/۲۔

یہودیوں نے ان کو مبغوض رکھا یہاں تک کہ اُن کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ پرتُہمت لگائی، اور نصاریٰ نے اُن کو اس درجہ محبوب بنایا کہ اُن کو اس مرتبہ پر پہنچایا کہ جو اُن کے لئے لائق نہ تھا یعنی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا بنالیا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح میرے بارہ میں بھی دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک گروہ تو وہ ہے کہ جو میری محبت میں غلو کرے گا، اور حد سے زائد میری تعریف کرے گا (یہ شیعوں کا گروہ ہے) اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو مُجھ سے بُغض رکھے گا اور مجھ پر بہتان باندھے گا (یہ خارجیوں کا گروہ ہے) اور یہ دونوں گروہ ہلاک ہو جائیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں نبی نہیں اور نہ میری طرف کوئی وحی آتی ہے، بلکہ میں کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ کا متبع ہوں۔ پس جب میں تم کو اللہ کی اطاعت کا حکم دُوں تو تم پر میری اطاعت واجب ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوارج سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا، اور روافض کو برسرِ منبر شیخین کی افضلیت کی تلقین کی۔ خواہ تم پسند کرو یا ناپسند، اور بالفرض جب میں تم کو کوئی معصیت اور گناہ کا حکم دوں تو خوب سمجھ لو کہ خدا کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ اطاعت صرف خیر اور بھلائی میں ہے)۔

پس جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں یہود اور نصاریٰ دونوں باطل پر ہیں، اور صرف اہل اسلام حق اور صراط مستقیم پر ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کو بندہ اور رسولِ برحق اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ سمجھتے ہیں، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں خارجی اور رافضی دونوں گروہ گمراہ اور ہالک ہیں اور صرف اہلِ سنت

والجماعت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سچے محب اور سچے پیرو ہیں کہ دل و جان سے اعتدال کے ساتھ اُن کو محبوب رکھتے ہیں، اور محبت میں ایسا غلو نہیں کرتے کہ اُن کو اُن کے مرتبہ سے بڑھادیں، اور نہ معاذ اللہ ان سے کدورت رکھتے ہیں، شیعانِ علی بمنزلہ نصاریٰ ہیں اور خارجی بمنزلہ یہود کے ہیں، اور اہل سنت والجماعت افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان صراطِ مستقیم پر ہیں اور **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا** کے مصداق ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دَور خلافت میں خوارج سے جہاد و قتال کیا اور ان کو تہ تیغ کیا اور جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں غلو کیا، ان کو بار بار اپنے دار الخلافت کوفہ میں برسر منبر یہ بتلایا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس امت کے افضل اور بزرگ ترین ہیں، اور جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا کہا ان کو قتل کیا اور آگ میں جلایا، اور ان تمام امور میں اہل سنت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست و بازو رہے۔ اہل سنت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے خارجیوں سے جہاد و قتال کیا اور مدعیان محبت کو ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کی تفہیم و تلقین کی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں اُن کے صحیح مقام اور صحیح مرتبہ کو ملحوظ رکھا۔

بیان فرق درمیان خلافتِ شیخین وخلافت ختنین

(شیخین اور دامادوں کا باہمی فرق)

ارواح شیخین یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مُبارک سے وہ نسبت تھی کہ جو ایک صاف وشفاف آئینہ کو آفتاب سے ہوتی ہے کہ جب وہ آئینہ آفتاب کے محاذات میں واقع ہوتا ہے تو آفتاب کی شعاعیں ایسی جذب کر لیتا ہے کہ دیکھنے میں آفتاب کا ہم رنگ ہوجاتا ہے کہ ظاہر نظر میں شناخت مشکل ہوجاتی ہے۔

رق الزجاج ورقت الخمر فتشابها وتشاکل الامر
فکانها خمر ولا قدح وکانها قدح ولا خمر

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روح نبوی کے ساتھ قوت عاقلہ میں زیادہ تشبہ حاصل تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فنافی الرسول کا اعلیٰ ترین مقام حاصل تھا، اسی وجہ سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ شعاعہائے نبوّت کا مخزن اور مظہر اتم بنا ہُوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد:

لو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا.

(اگر میں اس دنیا میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بناتا):

اسی مقام فنا کی طرف اشارہ ہے۔

اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو روح نبوی کے ساتھ قوت عاملہ میں تشبہ زیادہ حاصل تھا، اسی وجہ سے کارہائے نبوّت اور مقاصد رسالت کی زیادہ تکمیل اُن کے ہاتھوں پر ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ فرمانا: لو کان من بعدی نبی لکان عمر" اسی طرف اشارہ ہے۔

اور روح مرتضوی کی روح نبوی کے ساتھ وہ نسبت ہے کہ جو قمر کو آفتاب سے ہوتی ہے کہ نور قمر اگرچہ آفتاب ہی سے مستفاد ہوتا ہے مگر اس کی صُورت آفتاب کی صورت سے مختلف ہوتی ہے۔ صاف و شفاف آئینہ کی طرح قمر، آفتاب کا ہم رنگ نہیں ہو جاتا، اس لئے چاند اور سُورج کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔

نیز شیخین کے زمانۂ خلافت میں شان نبوت غالب رہی، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں شان ولایت کا ظہور ہُوا کہ جو شانِ ولایت روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مستور اور مندمج تھی وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ظاہر ہوئی۔ گویا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانۂ خلافت دورۂ ولایت تھا۔ اسی وجہ سے اولیاء کرام کے اکثر سلسلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام خلفاء میں سب سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت نسبی میں اقرب تھے۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی استعداد عنصری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد عنصری اور قوت اعتدالیہ کے ساتھ خاص الخاص تشبہ حاصل تھا، اور باطنی کمالات اور فیوض و برکات میں فطرت اور جبلت کو خاص دخل ہے مگر یہ فضیلت، فضیلت جزئیہ ہے کہ جس کا تعلق مقامات ولایت سے ہے لیکن تشبہ بالانبیاء من حیث النبوت کے

باب سے نہیں جو فضل کلی مدار ہے۔ [1]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فقط خلافت شیخین اور خلافت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرق بیان فرمایا۔لیکن عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورۂ خلافت کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔

اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ عثمان ذی النورین کا زمانۂ خلافت، نورنبوت اور نور ولایت دونوں کا جامع تھا۔نورنبوت کی نہایت تھی، اور ولایت کی ابتداء تھی۔قرآن کریم کا لغت قریش پر جمع کرانا اور آفاق میں شائع کرانا اور دائرہ فتوحات کا اتنا وسیع ہوجانا کہ مشرق ومغرب کا خراج مدینہ منورہ کے بیت المال میں جمع ہوجانا یہ مقاصد نبوت کی تکمیل وتمیم تھا اورھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔ [2]

(وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے)۔

اور اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ [3]

(اس کا جمع کردینا اور پڑھوادینا ہمارے ذمے ہے)۔

کی پیشین گوئی کی تکمیل تھی، اور اس کے بعد جو خلافت کا آخری دور گزرا وہ دورۂ ولایت تھا، اور عجب نہیں کہ ذی النورین کے لقب میں انہی دونوروں کی طرف اشارہ ہو۔

حق جل شانہٗ کے اس ارشاد وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ الآیۃ میں جس فتنہ اور ارتداد کے استیصال کی خبر دی گئی تھی اس کا ظہور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] التفہیمات الالٰہیہ (شاہ ولی اللہ)۔۱/۲۴۴۔۲۴۶۔نیز دیکھئے: قرۃ العینین۔ص:۲۹۹۔

[2] القرآن:۹(توبہ)،۳۳۔

[3] القرآن:۷۵(قیامہ)،۱۷۔

کے زمانے میں ہُوا، اور روم اور فارس کی فتح جس کی طرف سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِی بَاْسٍ شَدِیْدٍ میں اشارہ تھا۔ اس کا ظہور فاروق اعظم کے زمانے میں ہُوا، اور خوارج اور روافض کے ظہور اور خروج کے متعلق جو پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی اس کا ظہور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہُوا۔ تاکہ فقہاء اُمت کو باغیوں کے احکام اور مسائل معلوم ہو سکیں۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ کے نماز بھول جانے سے سجدۂ سہو کا حکم معلوم ہُوا، اور سہواً آپ کی نماز قضاء ہو جانے سے قضاءِ فوائت کا حکم معلوم ہوا، اسی طرح سمجھو کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جو فتنے ظہور پذیر ہوئے، اُن سے باغیوں کے احکام معلوم ہوئے۔

شیخین یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں جہاد وقتال تنزیل پر تھا۔ یعنی ان لوگوں سے تھا جو سرے سے قرآن کو ہی نہیں مانتے تھے، اور کافر تھے اور ختنین یعنی کہ عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں قتال تاویل پر تھا۔ یعنی خوارج اور باغی لوگوں سے تھا کہ جو کلمہ گو تھے، اور نصوص کی غلطیاں تاویل کرتے تھے، اور اسلام کے اندرونی طور پر دشمن تھے۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جہاد وقتال سے اہل حرب اور اہل ذمہ اور مال غنیمت اور مال فئی کے احکام معلوم ہوئے جو اسلام کی بیرونی دشمن تھے۔ اس طرح ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد خلافت میں شریعت کے ابواب جہاد مکمل ہوئے۔ اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور خلافت میں بغاۃ یعنی باغیوں کے احکام اور مسائل مکمل ہوئے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

اگر عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہ ہوتے تو ہم کو باغیوں کے احکام معلوم نہ ہوتے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ فتاویٰ عزیزی میں لکھتے ہیں:

"در حدیث صحیح وارد است کہ آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ را فرمودند کہ یا علی انك تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیله". [1]

(حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم لوگوں سے قرآن کی تاویل پر قتال کرو گے جیسا کہ میں نے لوگوں سے قرآن کی تنزیل پر جہاد وقتال کیا)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانہ میں تنزیل قرآن پر جہاد فرمایا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ میں ان لوگوں سے جہاد وقتال کیا کہ جو قرآن کی غلط تاویل اور تفسیر کرتے تھے۔ جیسے خوارج اور روافض۔ خوارج نے چونکہ آیات قرآنیہ کی غلط تاویل کی اور سیف وسنان سے خلیفۂ برحق کا مقابلہ کیا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیف وسنان سے اُن کا جواب دیا۔ اور اہل تشیع نے برنگ محبت آیات قرآنیہ کی غلط تاویل کی۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں برسر منبر بار بار اس کا اعلان فرمایا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام اُمت میں سب سے افضل ہیں، اور جو شخص مجھ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دے گا وہ خوب سمجھ لے کہ وہ مفتری ہے، اور میں اُس کو وہی سزا دوں گا جو مفتری کو ہوتی ہے۔ یعنی اَسّی ۸۰ کوڑے۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیعوں کی غلط فہمی کو دُور کیا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کے مسئلہ کو اس درجہ واضح فرمایا کہ اس میں کسی قسم کی تاویل اور ذرہ برابر شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ [2]

[1] فتاویٰ عزیزی ۲۲۹/۱۔
[2] دیکھئے: مکتوب مجدد الف ثانی نمبر: ۲۶۶۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب یہ معلوم ہُوا کہ کچھ لوگ حضرات شیخین کی شان میں گستاخی کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو جمعہ کے دن خطبہ دیا، اور اس قدر روئے کہ ریش مُبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی، اور یہ فرمایا کہ:

"میں نے ایسا سُنا کہ بعض لوگ میرے دوستوں کو بُرا کہتے ہیں۔ پس سُن لو جو شخص ایسا کرے اُس کو قتل کر ڈالو"۔

بعض ازاں آپ کو یہ علم ہُوا کہ بعض لوگ آپ کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور خدائی اور پیغمبری صفات آپ کے لئے ثابت کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ اور عبداللہ بن سبا کی گرفتاری کا حکم صادر کیا۔ ابن سبا روپوش ہوگیا۔[1]

---

[1] ابطالِ اصولِ شیعہ۔ ص: ۱۰۔

نظم

درمدحِ خلفائے راشدین

وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

از عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز.

شہسوارانِ جہاں مردانِ دین	چار یارِ مصطفیٰ اہلِ یقین
اولاً ابوبکر صدیق! اہلِ دین	دوسرے عادل عمر والا یقین
تیسرے عثمان با حلم و حیاء	چوتھے ہیں حضرت علی شیرِ خُدا
اور سب اصحاب اس کے ذی علوم	ہیں ہدایت کے فلک پر دے نجوم
صدق اور عدل اور شجاعت اور حیاء	ہے انہی چاروں سے دین کو ارتقاء
ان سے راضی ہے خدائے دوسرا	اور خوش ہیں ان سے حضرتِ مصطفیٰ
تو بھی جان ودل سے اے امداداب	رہ فدا ان پر سدا ہر روز و شب
جو کوئی بد اعتقاد ان سے ہُوا	ہے وہ مردودِ جنابِ کبریا

(منقول از غذائے روح)

نکتہ: بعض لوگوں نے حضرات خلفاء کی فضیلت اور ترتیب کے متعلق ایک

نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ خیر القرون قرنی. سو اس حدیث میں خلفاء اربعہ کے نام کے آخری حروف بہ ترتیب آئے میں یعنی **ق** صدیق کا اور **راء** عمر کی اور **ن** عثمان کا اور **ی** علی کی۔ کسی نے اس کو یوں نظم کیا ہے:

ابوبکر یک سو علی ایک جانب　　خلافت کو گھیرے ہیں باصد صفائی

الف اور یے کی طرح ان کو جانو　　کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی

یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ بھی　　الف اور یے نے یہ ترتیب پائی

وہ اوّل خلیفہ کے اول میں آیا　　یہ آخر خلفیہ کے آخر میں آئی!

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ اس شعر کو پڑھتے اور فرماتے بھلا کوئی شعر کہے تو ایسے کہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے اختلاف کی ابتداء کیسے ہوئی؟

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جب بلوائیوں کے ہاتھ شہید ہوئے تو لوگ حضرت علی المرتضیٰ کے پاس آئے آپ اس وقت بازار میں تھے، لوگوں نے کہا بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے تاکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کہا ٹھہرو یہاں تک کہ لوگ صلاح اور مشورہ کرلیں۔ لوگوں نے اصرار کیا اور یہ کہا کہ عثمان تو شہید ہوگئے، اب ان کے بعد کوئی خلیفہ نہ ہُوا تو امت میں اختلاف اور فتنہ و فساد پڑ جائے گا۔ شدید اصرار کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے خلافت کو قبول کیا، اور مہاجرین اور انصار نے آپ کے ہاتھ پر

بیعت کی، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ سب لوگوں نے بیعت کی۔ پھر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغرض عمرہ مکہ جانے کی اجازت چاہی اور مکہ پہنچے۔ وہاں جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مِلے۔ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا صدمہ عظیم تھا اس لئے مکّہ میں سب لوگوں نے اس پر اتفاق کیا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصاص لیا جائے، اور یعلیٰ بن امیہ جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صنعاء پر حاکم تھا وہ بھی حج کے لئے مکہ آیا ہوا تھا، اس نے بھی حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے مطالبہ کے لئے آمادہ کیا، اور بہت سی مالی امداد دی، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سواری کے لئے اسّی ۸۰ اشرفیوں میں ایک اونٹ خریدا، اور سب جمع ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہلِ بصرہ نے اس آمد کی وجہ دریافت کی تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ہم عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص لینے آئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناحق مارے گئے ہیں، اگر ہم ناحق خون پر غُصّہ نہ کریں تو ہم بے انصافی کرنے والے ہوں گے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ بھی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ پہنچے تو ایک شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ کس بنا پر ان لوگوں سے قتال کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا حق پر۔ اس شخص نے کہا کہ وہ لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اقاتلهم علی الخروج من الجماعة ونكث البيعة.

(میں ان لوگوں سے اس بات پر قتال کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے جماعت سے خروج کیا، اور مُجھ سے بیعت کر کے اُس کو توڑا، اور طویل کلام فرمایا)۔

پھر طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کیا، اور یہ کہا کہ ان دونوں نے مجھ سے مدینہ میں بیعت کی اور بصرہ میں میری مخالفت کی، اور اگر کوئی شخص ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت توڑتا تو ہم اس سے قتال کرتے۔[۱]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ باجماع اہل حل و عقد خلیفہ مقرر ہوئے تھے، اس لئے وہ بیعت نہ کرنے والوں کو باغی سمجھتے رہے، اور باغیوں سے نص قرآن فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ.[۲] (اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرے) قتال جائز ہے۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے باہمی اختلاف کی نوعیّت

فتنوں کی ابتداء تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری دور سے ہو چکی تھی۔ ظالموں اور باغیوں نے از راہ حسد و عناد، اسلامی حکومت کو فتنوں کی آماجگاہ بنایا ہوا تھا۔ حضرت عثمان کے عُمال اور حکام کی شکایتیں شروع کیں۔ کسی پر ظلم کا الزام لگایا، کسی پر کچھ اور کسی پر کچھ، حتیٰ کہ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدف ملامت بنایا کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو والی بنایا، اور جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی تھی اُن کو عہدے نہیں دیئے (جس کا مفصّل جواب گزر چکا) کہ وہ شکایات بے سروپا تھیں، یا رائی کا پہاڑ بنایا ہوا تھا تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظلماً شہید کر دیئے گئے، اور فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

---

[۱] فتح الباری۔ ۴۵/۱۳۔

[۲] القرآن: ۴۹ (حجرات)، ۹۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باتفاق مہاجرین وانصار جو اہل حل وعقد تھے خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور سب نے ان کو افضل سمجھ کر اپنا خلیفہ بنایا، اور باغیوں نے بھی اپنی جان کی امان کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے لشکریوں میں شامل ہو گئے۔ فتنوں کا دروازہ کُھل ہی چکا تھا، اب ایک دُوسرے فتنہ کا آغاز ہُوا کہ اہلِ شام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ جب تک قاتلین عثمان سے قصاص نہ لیا جائے گا، اس وقت تک ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا قصاص طلب کرنے والے اول ان کے ہاتھ پر بیعت کریں، اور اُن کی خلافت اور امامت کو تسلیم کریں، اور بیعت کرنے کے بعد اپنی داد رسی کی مُجھ سے درخواست کریں۔ انشاء اللہ ضرور بالضرور قاتلینِ عثمان سے قصاص لیا جائے گا۔ مگر اتنا انتظار ضرور کرنا پڑے گا کہ فتنۂ بغاوت کا زور ٹوٹ جائے، اور اسلامی حکومت کے قدم جم جائیں۔ باغیوں نے اگرچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی مگر ان کے عزائم ٹھیک نہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغیوں کی کثرت وشوکت اور اندرونی تنظیم کی وجہ سے فی الحال قصاص کا مسئلہ چھیڑنا نہیں چاہتے تھے، مبادا پھر کوئی شورش اور فتنہ برپا ہو جائے۔ لہٰذا مصلحتِ ملکی کا اقتضاء یہی ہے کہ قصاص کے مسئلہ میں تاخیر کی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فکر تھی کہ اسلام کی جو حکومت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ غزوات اور تیس سالہ خلفاء راشدین کے معرکوں سے قائم ہوئی ہے، وہ اس عجلت کی بناء پر چشم زدن میں درہم برہم نہ ہو جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف استحقاق خلافت کی بناء پر نہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت اور استحقاق خلافت سے ہرگز ہرگز انکار نہ تھا، وہ بیعت کے لئے بالکل تیار تھے۔ معاملہ صرف قاتلین عثمان کے قصاص لینے کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور حکومت تسلیم کرنے سے پہلے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت اور تسلیم حکومت کرنے سے پہلے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت اور تسلیم حکومت کو مقدم سمجھتے تھے۔ ہر ایک مجتہد تھا، اور اپنی اپنی جگہ ہر ایک نیک نیت تھا باغیوں کی سرکوبی کو ہر ایک ضروری سمجھتا تھا۔ معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغیوں کے حامی نہ تھے۔ صرف وقت کے منتظر تھے۔ نیز یقینی طور پر کوئی متعین شخص ایسا نہ تھا کہ جس کو پکڑ کر قتل کر ڈالیں بلکہ ایک بلوائے عام کی شکل تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ جلد از جلد باغیوں کی سرکوبی کی جائے تاکہ اسلامی حکومت فتنۂ بغاوت سے محفوظ ہو جائے۔ اور ظالم اور خود غرض لوگ اسلامی حکومت کی وحدت کو پارہ پارہ نہ کرسکیں۔ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مظلومانہ شہادت کا عام مسلمانوں کے دلوں پر غایت درجہ صدمہ اور ملال تھا۔ اس لئے حضرت معاویہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص میں تاخیر کرنا گراں گزرا، اور اس تاخیر کو تساہل پر محمول کیا، اور ظاہر ہے کہ اپنے دوستوں کا ذرا سا تساہل بھی پہاڑ بن جاتا ہے۔
حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جوشِ محبت میں پیمانۂ صبر لبریز تھا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ہوش اُن کے جوش پر غالب تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا صدمہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ صدمہ میں دونوں ہی

فریق برابر کے شریک تھے۔ فرق اتنا تھا کہ کسی پر جوش غالب تھا، اور کسی پر ہوش۔ دونوں ہی گروہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عاشق اور شیدائی تھے۔ جوشِ عشق میں ایک فریق دُوسرے سے بدگمان ہوا۔

ع عشق است و ہزار بدگمانی

اور جوش ہوش سے لڑ پڑا۔ بعد میں جب ہوش آیا تو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں بصد ندامت و شرمساری میدان قتال سے واپس ہوئے۔

معاذ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود یہ نہ تھا کہ خلیفۂ برحق کا مقابلہ کریں۔ اور اسلامی حکومت کے خلاف تلوار اٹھائیں، اور جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت معایہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ معاذ اللہ ان میں سے بھی کسی کا یہ قصد نہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے ساتھ جو صحابۂ کرام کی جماعت تھی اُن کے حق میں بغاوت کا لفظ ہرگز ہرگز استعمال نہ کرنا چاہیے۔ بغاوت کا لفظ اُس جگہ استعمال کیا جاتا ہے کہ جہاں دیدہ و دانستہ اسلامی حکومت کے خلاف تلوار اٹھائی جائے۔ اور اگر نیک نیتی سے مطالبہ قصاص کو تسلیم حکومت پر مقدم کردیا جائے تو غایت مافی الباب اس صورت پر محض ظاہری اور صوری طور پر بغاوت کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے مرتکب پر کسی حال میں باغی کا اطلاق درست نہیں۔

ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن عاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمایا کہ اے عمار! ایک روز ایک گروہ باغی تم کو قتل کرے گا۔ سو اس باغی گروہ سے معاذ اللہ صحابۂ کرام کی جماعت کا کوئی فرد مراد نہیں بلکہ اس سے وہ مفسد اور فتنہ پرداز لوگ مراد ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شامل ہوگئے تھے۔[1]

[1] تطہیر الجنان واللسان۔ (ابن حجر مکی) ص ۴۰، ۴۷۔

جنگِ جمل

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مظلومانہ شہادت کا صحابۂ کرام کو غایت درجہ صدمہ تھا۔ اس لئے صحابۂ کرام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلیفۂ شہید و مظلوم کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغیوں کی کثرت اور ظاہری شوکت اور قوت کو دیکھ کر یہ مناسب سمجھا کہ جب تک امور خلافت منظم نہ ہو جائیں اس وقت تک ان غداروں اور مفسدوں کی گرفتاری مناسب نہیں۔ اس لئے مصلحتاً فی الوقت اس کے اجراء سے انکار فرمایا۔ بہت سے حضرات تو اس مصلحت ملکی پر نظر کر کے خاموش ہو گئے۔ لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے رفقاء پر قاتلین سے قصاص لینے میں تاخیر بہت ناگوار گزری۔ سب مل کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مکّہ معظّمہ پہنچے (جو بغرض حج مکّہ مکرّمہ گئی ہوئی تھیں) جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور عرض کیا کہ ام المومنین! اس خون ناحق کا بدلہ حق ہے جواب تک نہیں لیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہر چند عذر کیا مگر مسموع نہ ہوا، اور ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا۔ اور کہا کہ اگر مظلوم شہید کا قصاص نہ لیا گیا تو ہم لڑیں گے۔ اس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، اور یہ تمام اختلاف قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے بارہ میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور افضلیت میں کسی کو کلام نہ تھا۔ سب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر چکے تھے۔

جب یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو لشکریوں نے (جن میں باغیان، غدار اور عبداللہ بن سبا کا گروہ مکار بھی تھا)، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خروج پر تیار کیا۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عراق کی طرف روانہ ہوئے، اور ادھر سے حضرت عائشہ نے

محض اس لئے خروج کیا کہ شاید کوئی صورت اصلاح کی نکل آئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایلچی بغرض دریافت منشاء حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا انہوں نے جواب یہ دیا کہ مجھے آپ سے لڑائی ہرگز ہرگز منظور نہیں۔ مقصود محض اصلاح ہے جو بظاہر خلیفہ مظلوم کا قصاص لینے پر موقوف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ لیکن فی الوقت فتنہ پردازوں کی کثرت اور قوت کو دیکھ کر مصلحت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ سوئے ہوئے یا دبے ہوئے فتنہ کو جگایا یا ابھارا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جواب کو سن کر مطمئن ہو گئے، اور یہ امر قرار پایا کہ کل فریقین کا لشکر بلا جنگ وجدال اور بلا قتل وقتال اپنی اپنی جگہ واپس لوٹ جائے لیکن یہ امر فتنہ باغیہ اور گروہ سبائیہ کو نہایت شاق گزرا۔ یہ لوگ فساد ہی کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں گھسے ہوئے تھے اور مقصود ہی دین محمدی ﷺ کی تخریب تھی، اس گروہ پر صحابہ کرام کی یہ باہمی مصالحت اس لئے ناگوار ہوئی کہ تخریب اور فساد کا موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر شاید ایسا موقعہ نہ ملے۔ اس لئے ان مفسدین نے مشورہ کر کے رات کے اخیر حصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر پر یکا یک حملہ کر دیا، اور تیر برسانے شروع کر دیئے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی مطلق خبر نہ تھی۔ جب اس طرف سے یکا یک حملہ ہوا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکریوں نے اس حملہ کا جواب دیا، اور ہنگامہ کارزار اس قدر گرم ہوا کہ طرفین کے ہزاروں آدمی اس میں مارے گئے۔ کافی کشت وخون ہو چکنے کے بعد اِدھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور اُدھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصل حقیقت کا علم ہوا۔ انکشاف حقیقت کے بعد پھر صلح وصفائی ہو گئی۔

اور ایک دوسرے سے مل کر زار و قطار روئے، اور حضرت علی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہایت احترام کے ساتھ مدینہ منورہ رخصت کیا، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس جنگ میں شہید ہوئے، اور طرفین سے تیرہ ہزار مسلمان مقتول ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ o حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اس واقعہ کا ذکر کرتیں تو زار و قطار روتیں۔ مگر افسوس کہ پتہ اس وقت چلا کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر تفصیل مذکور کے بعد لکھتے ہیں۔ **ولا یشعر احد منهم (ای من الصحابة) بما وقع الامر علیه فی نفس الامر وکان امر اللّٰه قدرًا مقدورًا.** [1]

اس لڑائی کو جنگ جمل اس لئے کہتے ہیں کہ جمل کے معنی اونٹ کے ہیں اور اس لڑائی میں حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہوکر میدان میں آئی تھیں۔ یہ واقعہ بمقام شہر بصرہ جمادی الاخری ۳۶ھ میں پیش آیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب واقعۂ جمل میں حاضر ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو آواز دی اور قریب بُلا کر تنہائی میں اُن سے یہ کہا کہ اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا تم کو وہ وقت یاد نہیں کہ ایک دن میں اور تم دونوں آپس میں بیٹھ کر ہنس رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہم پر پڑی، اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا کہ اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ایک وقت آئے گا کہ تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑے گا، اور اس وقت تو ظالم ہوگا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنتے ہی کہا ہاں مُجھ کو یاد آگیا۔ اس وقت سے پہلے مجھ کو یاد نہیں آیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب یہ ارشاد یاد دلایا، سنتے ہی ندامت اور شرمساری کے ساتھ مدینہ منورہ واپس ہوگئے۔ واپسی میں راستہ میں

---

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ۲۳۹/۱۷۔

کسی مقام پر سو گئے۔ عمرو بن جرموز نے اُن کا تعاقب کیا، اور سوتے ہوئے ان کو قتل کیا اور ان کا سر اور تلوار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے کر آیا اور اطلاع کرائی کہ میں نے آپ کے دشمن زبیر کو قتل کیا، اور ان کا سر اور یہ اُن تلوار ہے، اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی، اور دربان سے کہہ دیا کہ اس کو دوزخ کی خوشخبری سنا دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُنا ہے کہ زبیر کا قاتل جہنمی ہے، اور یہ فرمایا: واللہ یہ وہی تلوار ہے جس نے بہت مواقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور حفاظت کی ہے۔[1]

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جنگ جمل میں آئے تو ان کے ساتھ بھی وہی ماجرا پیش آیا جو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بلایا، اور ان سے اپنے سوابق اسلامیہ اور فضائل کا ذکر کیا۔ سنتے ہی حضرت طلحہ میدان سے واپس ہو کر کہیں علیحدہ جگہ جا کر بیٹھ گئے، اچانک ایک تیر آ کر ان کے گھٹنے میں لگا جس سے خون جاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ وفات پا گئے۔[2]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب مقتولین کی لاشوں پر گزر ہوا، تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر روئے، اور اُن کے چہرہ سے مٹی کو پونچھا اور یہ کہا کہ کاش! میں بیس ۲۰ برس پہلے مر چکا ہوتا۔

---

[1] استیعاب (ابن عبدالبر)۔ ۵۸۴/۱۔
[2] ایضاً۔ ۲۲۱/۳۔

جنگِ صفین[1] اور واقعہ تحکیم

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جنگِ جمل سے فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شام کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ میرے ہاتھ پر بیعت کریں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عذر کیا کہ جب تک عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص نہ لیا جائے گا میں اُس وقت تک بیعت نہیں کروں گا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اول میرے ہاتھ پر بیعت کرو، پھر میرے آگے یہ مقدمہ پیش کرو۔ بیعت کے بعد میں تمہارے دعویٰ کی سماعت کروں گا، اور حق کے مطابق فیصلہ کروں گا لیکن معاملہ نے طول پکڑا، اور نوبت لڑائی کی آئی۔[2]

یحیٰ بن سلیمان جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشائخ میں سے ہیں وہ کتاب صفین میں سند جید کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابو مسلم خولانی نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

"انت تنازع عليا في الخلافة او انت مثله قال لا واني لاعلم انهٗ افضل مني واحق بالامر ولكن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمه و وليه اطلب بدمه فاتوا عليا فقولوا له يدفع لنا قتلة عثمان فاتوه فكلموه يدخل في البيعة ويحاكمهم الى فامتنع معاوية فسار علىٰ في الجيوش من العراق حتى نزل بصفين وسار معاوية حتى نزل هناك وذلك في ذى

[1] منہاج السنہ۔۲/۲۱۹،۲۲۰۔

[2] فتح الباری۔۱۲/۲۵۰۔

الحجة سنة ست و ثلاثين". [1] [2]

(کیا آپ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے اختلاف اور نزاع ہے، یا آپ کا گمان یہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر اور ہم پلّہ ہیں؟۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں اُن کے برابر نہیں۔ واللہ مجھے خُوب یقین ہے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے کہیں افضل اور بہتر ہیں، اور سب سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم مارے گئے، اور میں اُن کا چچیرا بھائی اور اُن کا ولی ہوں، میں فقط اُن کا قصاص چاہتا ہوں۔ سو تم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں کے ہمارے حوالہ کر دیں۔ ابو مُسلم یہ سُن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، اور اُن سے گفتگو کی، تو علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول میری بیعت میں داخل ہوں، پھر میرے پاس اپنا دعویٰ پیش کرے۔ اور مجھ سے فیصلہ کی درخواست کرے۔ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو منظور نہ کیا۔ نوبت لڑائی پر پہنچی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عراق سے لشکر لے کر چلے، اور مقام صفین میں جا کر اترے، اور ادھر شام سے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا لشکر لے کر چلے مقام صفین میں آکر اترے اور یہ ماجرا ۲۶ھ میں پیش آیا)۔

مقام صفین میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک ماہ تک دونوں کے درمیان لڑائی ہوتی رہی۔ طرفین کے تقریباً ستر ہزار آدمی اس لڑائی میں مارے گئے۔ قریب تھا کہ اہلِ

[1] فتح الباری۔ ۱۳/ ۷۴۔

[2] بعض کہتے ہیں ۳۷ھ میں پیش آیا۔

شام کا لشکر مغلوب ہو جائے۔ شام والوں نے جب یہ دیکھا کہ ہم مغلوب ہوا چاہتے ہیں تو عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے قرآن کریم کو نیزوں پر اُٹھا کر یہ پکارا کہ ہم تم کو قرآن کی طرف بُلاتے ہیں۔ یعنی یہ قرآن ہمارے تمہارے درمیان جو فیصلہ کردے وہ ہمیں منظور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے لشکریوں نے یہ سن کر لڑائی سے ہاتھ روک لیا، خاص کر قرّاء نے اس آیت سے استدلال کیا:

"اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ o". [1]

(تم نے دیکھا نہیں، جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حِصّہ ملا ہے، ان کا کیا حال ہے؟۔ انہیں جب کتاب الٰہی کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق پہلوتہی کرتا ہے، اور فیصلے کی طرف آنے سے منہ پھیرتا ہے)۔

اور اُن کے رفقاء نے یہ سن کر اہل شام کو کہلا بھیجا کہ ایک حَکَم (منصف) تم بھیجو اور ایک ہم بھیجتے ہیں، اور ان دونوں کے ساتھ وہ لوگ حاضر ہوں جو لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔ ان لوگوں کی رائے میں جو حق ہو سب لوگ ان کے فیصلہ کی پیروی کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفقاء نے اس فیصلہ کو منظور کیا مگر جو لوگ خارجی ہو گئے تھے انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان اس بارہ میں ایک تحریر لکھی گئی جس کا مضمون یہ تھا کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فیصلہ کیا ہے۔ الخ

اس عبارت پر اہل شام نے یہ اعتراض کیا کہ ہم آپ کو امیر المؤمنین نہیں

---

[1] القرآن: ۳ (آل عمران)، ۲۳۔

مانتے۔ لہٰذا اس تحریر میں لفظ امیر المؤمنین نہ لکھا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی منظور کرلیا۔ مگر خارجیوں نے اس کو بھی نہ مانا پھر فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں منصف اور اُن کے رفقاء ایک مدت معینہ کے بعد یعنی سال آئندہ کسی ایک مقام میں جمع ہوں جو شام و عراق کے درمیان ہو، اور فی الوقت دونوں لشکر اپنے اپنے شہروں کی طرف واپس ہوجائیں۔ اس طرح بدون کسی فیصلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کی طرف اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی طرف واپس ہوگئے، اور آٹھ ہزار سے زیادہ خارجی لوگ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علیٰحدہ ہوگئے اور مقام حروراء میں جمع ہوگئے، اور اُن کا سردار عبداللہ بن کوّا تھا، اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اعتراض کیا کہ تم نے "منصف حَکَم کیوں مقرر کئے" حالانکہ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت قرآن منگوایا کہ میرے اور لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب منصف ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا"۔[1]

(اگر تمہیں کسی وقت میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو تم ایک حَکَم مرد کے رشتہ داروں میں سے، اور حَکَم عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو)۔

اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا مرتبہ ایک مرد و عورت سے کہیں بڑھ کر ہے، اس میں اگر تحکیم قبول کرلی جائے تو کیا مضائقہ ہے، اور یہ فرمایا کہ لوگ مجھ

---

[1] القرآن: ۴ (النساء)، ۳۵۔

پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خط و کتابت کیوں کی۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے خط و کتابت کی۔ تم کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرو۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تفہیم اور اصلاح کے لئے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُن کی طرف بھیجا، کچھ لوگ ان میں سے تائب ہو گئے، اور کچھ لوگ اپنے خیال پر قائم رہے۔ ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصفی قبول کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب ان کی خبر پہنچی تو لشکر لے کر ان کی طرف خروج کیا، اور مقام نہروان [1] پہنچ کر ان پر حملہ کیا، اور سب کو تہ تیغ کیا جن میں سے صرف دس آدمی بچے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں سے صرف دس آدمی قتل ہوئے، پھر یہ لوگ روپوش ہو گئے، اور پوشیدہ طور پر سازشیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح کی نماز کو جاتے ہوئے شہید کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

یہ تمام تفصیل فتح الباری باب قتال الخوارج والملحدین میں کتاب استتابۃ المرتد والمعاندین وقتالھم میں ص۲۵۰ ج ۱۲۔ پر مذکور ہے۔ نیز یہ واقعہ مختصراً فتح الباری کی کتاب الفتن میں باب خروج النار کے ایک باب بعد ص۷۵ ج ۱۳ میں بھی مذکور ہے۔

---

[1] نہروان ایک مقام کا نام ہے، جہاں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ یہ لڑائی ۳۸ھ میں ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب علی المرتضیٰ نے ابوموسیٰ اشعری کو اپنا حکم بنایا اور فیصلہ ناموافق ہونے کی وجہ سے اُس کو رد فرما دیا تو اُن کے ساتھ والوں کی ایک جماعت جو اپنے کو شیعہ کہتے تھے اُن سے برگشتہ ہو گئے، انہی لوگوں کو خوارج کہتے ہیں۔ یہ خوارج مقام نہروان میں چلے گئے اور وہاں رہزنی شروع کی۔ بالآخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن پر لشکر کشی کی اور ان کو تہ تیغ کیا۔

مشاجراتِ صحابہ

(صحابہ کے باہمی اختلافات)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم ﷺ کی صحبت کی برکت سے اس درجہ مُزکّٰی اور مجلّٰی ہو چکے تھے کہ ہزاروں ہزار جنید و شبلی ایک ادنیٰ صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکے۔ بڑے سے بڑے ولی اور صدیق کے متعلق حتمی اور قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بارگاہِ خداوندی میں اس کا کیا مقام ہے۔ مگر صحابۂ کرام کے متعلق بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام کو دُنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا پروانہ مل چکا تھا اور دُنیا ہی میں اُن کو جنت کی بشارت سنا دی گئی، اور ساری دنیا میں اس کی منادی کرا دی گئی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ معاذ اللہ بفرض محال اگر صحابۂ کرام برے بھی تھے تب بھی اچھے ہی تھے اس لئے کہ خداوند علام الغیوب نے باوجود اس علم ازلی کے صحابہ سے کیا کیا ظہور میں آئے گا۔ یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے محبّ بھی ہیں اور محبوب بھی یحبھم ویحبونہ پس بہ قاعدہ۔ ع

ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است

صحابۂ کرام میں بالفرض اگر کوئی عیب بھی تھا تو وہ بہتر ہی تھا۔

سارا قرآن صحابہ کی مدح سے بھرا پڑا ہے۔ پس جو شخص صحابہ میں کوئی قدح نکالتا ہے تو اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی توصیف اور مدح میں جرح وقدح کرنا درحقیقت اپنے ہی ایمان میں جرح اور قدح کرنا ہے۔ جرح کرنے والا اس بات کو سمجھے یا نہ سمجھے، صحابۂ کرام کے نفوس اگرچہ نبی اکرم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ہوا وہوس سے مزکّٰی اور مجلّٰی اور حرص وطمع سے پاک وصاف ہو چکے تھے۔ لیکن بہر حال

صحابۂ کرام انسان اور بشر تھے۔ ملائکہ اور انبیاء کی طرح معصوم نہ تھے، اور مقتضائے بشریت اجتہادی خطاء کا واقع ہو جانا شان تقویٰ وورع کے منافی نہیں۔ قال تعالیٰ:

"اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنَّاتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ ○". [1]

(تحقیق متقی اور پرہیز گار لوگ جنت کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے، اور فرشتے اُن سے یہ کہیں گے کہ جنت میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ، اور اس وقت ہم اُن کے سینوں میں جو باہمی ناخوشی اور ناگواری ہوگی وہ سب نکال دیں گے۔ سب بھائی بھائی ہو جائیں گے، اور محبت و اُلفت سے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی متقی اور پرہیز گاروں کے دلوں میں بھی باہمی رنجش اور کدورت پیش آجاتی ہے، اور باوجود اس رنجش اور کدورت کے دونوں گروہ خدا تعالیٰ کے نزدیک متقی اور پرہیز گار ہیں، اور دونوں گروہ جنت میں جائیں گے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشاجرات اور باہمی اختلافات کو سمجھو کہ وہ سب حق کے لئے تھے۔ ہر ایک نے اپنے مقتضائے اجتہاد پر عمل کیا اور ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، جس نے جس شئے کو حق اور صواب سمجھا اس کے مطابق عمل کیا اور بلا شائبہ، تعصب اور بلا کسی خود غرضی کے دوسرے کی مخالفت کی، اور یہ جو اپنے اجتہاد میں مصیب تھا اس کو دو درجہ ثواب ملے گا، اور جو خاطی تھا جس نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی اُس کو ایک درجہ ثواب ملے گا۔ بہر حال ثواب سے کوئی خالی نہیں جس شخص سے اجتہاد میں غلطی ہو

[1] القرآن: ۵ (الحجر)، ۴۷۔

جائے۔ بالفرض اگر وہ ماجور بھی نہ ہو تو معذور تو بلاشبہ ہے۔ عقلاً ونقلاً اس پر طعن و تشنیع اور ملامت تو کسی طرح سے بھی جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کفر اور فسق کی نسبت ان کی طرف کی جائے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً"۔[۱]

(اور کسی مؤمن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مؤمن کو قتل کرے۔ مگر یہ کہ اس سے چوک ہو جائے)۔

اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قتل خطاء میں گناہ نہیں، اور حق جل شانہٗ کا مقام عتاب میں بعد ما تبین اور من بعد ما جائتهم البينات اور لفظ هم يعلمون بھی اس کی دلیل ہے۔ کہ وجہ عتاب کی یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کیں بلکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"وَلَئِنِ اتبعت اَهْوَائهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ"۔[۲]

(اگر اس علم کے بعد تمہارے پاس آچکا ہے، تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لئے نہیں)۔

اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر بے خبری اور لاعلمی میں خلافِ مرضی خدا کوئی کام ہو جائے تو مضر نہیں پس جب خُدا تعالیٰ ہی کی مخالفت لاعلمی میں مضر نہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت اگر بوجہ لاعلمی ہو جائے تو اس کا ذکر ہی کیا۔

---

۱ القرآن:۴(النساء)،۹۲۔

۲ القرآن:۲(البقرہ)،۱۲۰۔

وقال تعالیٰ:

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا o". [1]

(تم نادانستہ جو بات کہو، اس کے لئے تم پر کوئی گرفت نہیں، لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے۔ جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔ اللہ درگزر کرنے والا، اور رحیم ہے)۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں اللہ کے نبی اور رسول تھے، اور معصوم تھے۔ حضرت موسیٰ جب کوہ طور سے واپس تشریف لائے تو گوسالہ پرستی کو دیکھ کر غصہ آیا، اور خیال کیا کہ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوتاہی کی۔ نوبت یہاں تک آئی کہ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے، جیسا کہ کلام اللہ میں موجود ہے کہ حضرت ہارون بالکل بے قصور تھے مگر یہ وہ مقام ہے کہ جہاں نہ مجال دم زدنی ہے اور نہ گنجائش لب کشائی ہے۔ دونوں نبی و رسول اور معصوم ہیں، اور دونوں بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی نے دوسرے بھائی پر غصہ کیا یا اس کے سر کے بال کھینچے تو کسی تیسرے شخص کو اس میں کلام کرنا بھی جائز نہیں کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے کون حق پر تھا بلکہ سکوت فرض لازم ہے۔ ایک بھائی نے ایک بھائی پر غصہ کیا، اور دونوں ہمارے آقا اور سردار ہیں، اور ہم ان دونوں کے غلام نابکار ہیں، اور زر خرید غلام سے بڑھ کر اُن کے غلام ہیں۔ اُن کی باہمی رضا اور غصہ میں ہم کو سوائے سکوت کے کوئی چارہ نہیں۔ پس جو نسبت حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام میں تھی کہ ایک دوسرے کے بھائی تھے وہی نسبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] القرآن: ۳۳ (احزاب)، ۵۔

اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تھی کہ سب بھائی بھائی تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور داماد تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین زوجۂ مطہرہ اور رفیقۂ حیات تھیں، اور طہارت اور نزاہت میں مریم صدیقہ کا نمونہ تھیں۔ جس طرح مریم صدیقہ کی براءت ونزاہت کے بیان میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئیں، اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت میں سورۂ نور کی دس آیتیں نازل ہوئیں، اوران فضائل و مناقب کے علاوہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین تھیں جیسا کہ قرآن کریم کی نص ہے "وازواجہٗ امھاتھم" اوراس لحاظ سے کہ حضرت عائشہ ام المؤمنین تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے فرزندوں میں سے تھے، اور ماں اور بیٹے میں اگر کوئی رنج و کدورت اور شکوہ و شکایت کی نوبت آئے تو غلاموں اور نوکروں چاکروں کا کیا منہ ہے کہ وہ اس میں کچھ بولیں۔ خاص کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کسی قسم کی گستاخی اور بیہودہ گوئی بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی کے مترادف ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ محترمہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ تھیں اور ام المؤمنین تھیں اور ماں کا بھائی رشتہ میں ماموں ہوتا ہے، لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام مسلمانوں کے ماموں ہوئے، کیونکہ وہ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے، لہٰذا اس نسبت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے ہوئے، اور ماموں اور بھانجے کی لڑائی میں غلاموں کو بولنے کی اجازت نہیں، اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر تھے، اور حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدیق

اکبر کے سامنے بمنزلہ اولاد کے تھیں۔ فدک کے بارہ میں جو برائے نام کچھ رنجش پیش آئی اس میں بھی کسی کو مجال دم زدنی اور لب کشائی نہیں، اس لئے اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے باہمی نزاعات اور اختلافات کے متعلق سکوت اور خاموشی اختیار کریں۔ جہاں تک ممکن ہو زبان سے بھی اس کا تذکرہ نہ کریں، اور اس آیت پر عمل کریں۔

"تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ ۚ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝". [1]

(یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی اُن کے لئے اُس کا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل، اور تم سے اُن کے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا)۔

اور اگر بقول مخالف یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ان محاربات میں صحابۂ کرام کی شرکت خطائے اجتہادی نہ تھی بلکہ از قبیل ذنوب اور سیئات تھی تو ہم جواب میں یہ کہیں گے کہ صحابۂ کرام کی ہجرت اور خدا کی راہ میں جہاد و قتال کی حسنات نے اُن کے تمام گناہوں کا کفارہ کردیا۔ کما قال تعالیٰ:

"فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ". [2]

(پس جن لوگوں نے ہجرت کی، اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور

[1] القرآن: ۲ (البقرہ)، ۱۳۴۔

[2] القرآن: ۳ (آل عمران)، ۱۹۵۔

خدا کی راہ میں اُن کو ایذائیں اور تکلیفیں دی گئیں، اور انہوں نے جہاد و قتال کیا اور مارے گئے تو میں ضرور اُن کی برائیوں کو معاف کردوں گا، اور ضرور ان کو جنت میں داخل کروں گا۔ جس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ خدا کی طرف سے بطور جزاء اور انعام ہوگا)۔

وقال تعالیٰ:

"وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ۝ لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَیَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝". [1]

(اور جو شخص سچائی لے کر آیا، اور جنہوں نے اس کو سچ جانا، وہی عذاب سے بچنے والے ہیں، انہیں اپنے رب کے ہاں سے وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یہ ہے نیکی کرنے والوں کی جزا، تاکہ جو بُرے اعمال انہوں نے کئے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ ان کے حساب میں سے ساقط کردے۔ اور جو اچھے اعمال وہ کرتے رہے، ان کا انہیں اجر عطا فرمائے)۔

وقال تعالیٰ:

"اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝". [2]

---

[1] القرآن:۳۹(زمر)،۳۳،۳۴۔

[2] القرآن:۴۶(الاحقاف)،۱۶۔

(یہی ہیں وہ لوگ جن کے بہترین اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں، اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں، یہ جنتی لوگوں میں شامل ہوں گے، اس سچے وعدے کے مطابق جوان سے کیا جاتا رہا ہے)۔

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ کبھی متقین سے بھی خطاء اور گناہ سرزد ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادیں گے، اور ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ صحابۂ کرام اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار تھے مگر معصوم نہ تھے بمقتضائے بشریت اُن سے جو گناہ سرزد ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرے گا، اور سب کو جنت میں داخل کرے گا، اور حدیث میں ہے:

"لعل اللّٰہ اطلع علیٰ اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم"۔

(شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے دلوں پر مطلع ہوکر یہ فرمادیا ہے، کہ اے اہل بدر تم جو چاہے عمل کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے یعنی بمقتضائے بشریت تم سے گناہ تو سرزد ہوگا مگر اس پر مواخذہ نہ ہوگا)۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ صحابۂ کرام کے اُن اختلافت کو اچھے [1] محامل پر محمول کرنا چاہئے۔ اور خود غرضیوں اور تعصبات سے دور رکھنا چاہئے۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی تاثیر محبت کی برکت سے ہوا و ہوس اور کینہ و حرص سے پاک ہوگئے تھے۔ ان کے اختلافات

[1] دیکھو مکتوب ۳۶ از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر دوم ۵۸ اور دیکھو مکتوب ۶ از دفتر دوم ۱۳۱ ج ۲۔

صرف اللہ کے لئے تھے۔ ہر گروہ نے اپنے اجتہاد سے جس چیز کو حق سمجھا اس کے مطابق عمل کیا پس جس کا اجتہاد اُن میں سے ٹھیک تھا اُس کو دو درجے ثواب ہوگا، اور جس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی، ان کو ایک درجہ ثواب ملے گا۔ طعن اور ملامت ان پر کسی حال میں جائز نہیں۔ ہاں علمائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ان اختلاف میں حق حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی طرف تھا، اور آپ کے مخالفین سے اجتہاد میں غلطی بااین ہمہ ان پر طعن نہیں کیا جاسکتا، اور نہ کسی ملامت ہی کی گنجائش ہے، اور ہم نابکاروں کو اکابر کے اختلافات میں دخل دینے کی گنجائش نہیں۔ ہم کو چاہئے کہ سب کو اچھے لفظوں سے یاد کریں، اور کسی کے حق میں بدگوئی اور بدگمانی نہ کریں، بلکہ ان کے اختلافات کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہئے۔ نجات اور کامیابی کی یہی راہ ہے کہ دل و جان سے تمام صحابۂ کرام کی تکریم و تعظیم کریں، اور اُن کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی سے دل اور زبان کو محفوظ رکھیں، جس نے صحابۂ کرام کی توقیر و تعظیم نہیں کی وہ گویا حضور پُرنور پر ایمان ہی نہیں لایا۔ [1]

حضرت طلحہ اور زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا

جن صحابۂ کرام کے ساتھ حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو اختلاف پیش آیا اُن میں حضرت طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور حضرت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سو جاننا چاہئے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا اسلام کے سابقین اولین میں سے ہیں، اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور ان چھ آدمیوں میں سے ہیں جن کو فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے ساتھ شامل کرکے یہ فرمایا کہ میرے بعد مسلمان ان

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔ ۲/۵۸۔

چھ میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔یعنی ان میں سے ہرایک خلافت اور امارت کی صلاحیت رکھتا ہے، اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اختیارات سے حق خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے، اوران دونوں نے اپنی تمام زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت میں خرچ کردی، اوراللہ اوراس کے رسول کی محبت میں اپنے دل اور جگر کے ٹکڑوں یعنی لڑکوں اور لڑکیوں اور بیویوں اور خویش واقارب کواور دوست واحباب کواوراپنے مال و متاع کواوراپنے گھروں کوچھوڑ دیا،اورسب کوخیر باد کہہ کررسول اللہ کے ساتھ ہوئے۔ پس اگر بعض معاملات میں باہم اجتہادی اختلافات ہوجائیں اور نوبت نزاع تک پہنچے،اور ہرایک اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تواس میں کسی کوطعن اور اعتراض کی گنجائش نہیں، اور جس طرح زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کوحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فی النار والسقر فرمایا ہے، اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پرلعنت کرنے والا بھی بلاشبہ فی النار والسقر ہے، اس لئے کہ جوشخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور جاں نثاروں اوردین برحق کے جانبازوں اورسرفروشوں پرلعنت کرے،اس کے ملعون اورمغضوب ہونے میں کیاشبہ ہوسکتاہے؟۔

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت اور بزرگی اور عالی مرتبی قرآن اور حدیث کی رو سے ایسی جانی بوجھی چیز ہے کہ گویا آنکھوں دیکھی ہوئی حقیقت ہے جس میں کسی شک وشُبہ کی گنجائش نہیں،اور کسی کی مجال نہیں کہ اس میں کسی قسم کا قدح اورطعن کیا جاسکے کہ حق اورصواب ایسے موقعہ میں یہی ہے کہ ہر مجتہد اپنی رائے اراجتہاد پرعمل کرے،اوراسی پر چلے۔جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، ہرایک مجتہد ہے،اوراپنی رائے اور جتہاد پرعمل کرنے کا

شرعاً مکلف اور مامور ہے، درجۂ اجتہاد پر پہنچ جانے کے بعد دوسرے مجتہد کی تقلید کرنا خطا ہے بلکہ صواب یہ ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر چلے، اور آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بھی بسا اوقات مشورے ہوئے، اور صحابۂ کرام کی آراء اس میں مختلف ہوئیں جیسا کہ اسیرانِ بدر کے فدیہ کے بارہ میں، اور واقعۂ قرطاس کے بارہ مین مگر بایں ہمہ کسی پر طعن اور ملامت کی گنجائش نہیں۔ [1]

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو جن صحابہ سے اختلاف ہوا، ان میں سب سے زیادہ اختلاف حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہُوا، اور نوبت جنگ وجدال اور قتل وقتال کی آئی۔ امام غزالی قدس سرہٗ نے اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگ خلافت کے بارہ میں نہ تھی بلکہ اس کا تعلق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص سے تھا۔ اس بارہ میں سلامتی کی راہ اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہمی اختلافات اور محاربات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے، اور اس بارہ میں زبان سے گستاخی کا کوئی حرف نہ نکالا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ سابقین اولین میں سے نہیں، متاخر الاسلام ہیں۔ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے مگر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے، اور اس زمرہ میں داخل ہوئے جن سے اللہ تعالیٰ نے وعدۂ حسنیٰ کا فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

”لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ

[1] (دیکھو مکتوب ۳۶ بنام خواجہ محمد تقی از مکتوب امام ربانی دفتر دوم ص ۶۰ ج ۲)۔

اللّٰہُ الْحُسْنٰی ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ"۔ [1]

(تم میں سے جو لوگ فتح مکہ کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے، وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا، ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے)۔

اور غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کی ہمراہ اور کچھ دنوں کتابت وحی کی خدمت اُن کے سپرد رہی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں دمشق کے والی اور گورنر مقرر ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر عہد خلافت تک برابر ملک شام کے والی اور گورنر رہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی نوبت آئی، اور جس کا نام جنگ صفین ہے۔ پھر ۴۱ھ میں امام حسن بن علی نے خلافت ان کے حوالے کر دی، اور خود خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ سب مسلمانوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی، اور مسلمانوں کا باہمی تشتت اور افتراق اور خانہ جنگی ختم ہوئی اور تمام مسلمان ایک امیر پر متفق ہو گئے۔ اس لئے اس سال کا نام عام الجماعت ہُوا، اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصالحت اور تفویضِ خلافت کے بعد بیس ۲۰ سال تمام بلاد اسلامیہ کے بادشاہ عادل رہے۔ بیس سال شام کے گورنر رہے، اور بیس سال تمام بلاد اسلامیہ کے بادشاہ اور فرمانروا رہے، اور صحابہ و تابعین نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ شہر دمشق میں بعمر ۷۸ سال ۶۰ھ میں وفات پائی۔ اُن کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیراہن مبارک اور کچھ

[1] القرآن: ۵۷ (حدید)، ۱۰۔

موئے مبارک اور کچھ ناخن مبارک تھے، بوقت انتقال یہ وصیت کی کہ اسی قمیص میں مجھ کو کفن دینا، اور موئے مبارک اور ناخن مبارک میرے آنکھوں اور مُنہ میں رکھ دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔ [1]

اضافہ: [2]

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما خاندانِ بنی امیہ کے ایک عالی قدر فرزند، اور اسلام کے ایسے بطلِ جلیل ہیں کہ اسلام کی تاریخ ان کے سنہرے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ ان کا دورِ خلافت، ایسا دَور ہے جس پر ملتِ اسلامیہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے، اور کرتی ہے۔

شجاعت، حلم و بردباری، سخاوت، اور اصابتِ رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس دَور میں جب ہزاروں بلکہ لاکھوں میں لکھنے پڑھنے والے انگلیوں پر گنے جاتے تھے۔ اس وقت آپ پڑھے لکھے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

دینی علوم میں آپ کی مہارت مسلّم تھی۔ قرآن اور سنت کے معانی و مطالب پر وسیع اور گہری نظر کی وجہ سے آپ کو صاحبِ فتویٰ صحابہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ اکابر صحابہ آپ کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے فقیہ صحابی سے جب اُن کے ایک وتر پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: معاویہ نے صحیح کیا۔ کیوں کہ وہ بلاشبہ فقیہ ہیں''۔ [3]

شعر و ادب کا بہت ستھرا ذوق تھا، اچھے اشعار کو تہذیبِ اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ بلند پایہ مقرر اور خطیب تھے۔ ان کی تقریریں، اور عام جملے

---

[1] استیعاب (ابن عبدالبر)۔ ۳۹۹/۳۔

[2] حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں اضافہ ناچیز مدوّن (محمد میاں صدیقی) کی طرف سے ہے۔

[3] (بخاری ۵۳۱/۱)۔

فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ جاحظ اور مُبرّد جیسے ادباء نے اپنی کتابوں (البیان والتبیین، اور الکامل) میں ان کی تقاریر اور حکیمانہ جملوں کو ادبی شہ پارے کے طور پر نقل کیا ہے۔ ابن کثیر جیسے محدث و مؤرخ نے بھی اپنی کتاب ''البدایۃ والنہایۃ'' (جلد: ۷،۸) میں ان کی تقریروں کے کچھ اقتباسات درج کئے ہیں۔ اور ان جملوں اور فقروں کو محض ادب کا شہ پارہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ کلماتِ حکمت کے طور پر پیش کیا ہے۔

ابن جریر طبریؒ، قبیصہ بن جابر اسدی سے نقل کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ:

''مجھے اللہ نے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہنے کی سعادت بخشی۔ میں نے روحِ تشریع پر اُن سے زیادہ نظر رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اور ایک عرصہ حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہا، ان سے زیادہ سخی اور کشادہ دل کسی کو نہ پایا، سوال کرنے، اور ہاتھ پھیلانے سے پہلے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے تھے، پھر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا تو انہیں اپنے ساتھیوں کو سب سے زیادہ محبوب رکھنے والا پایا، اور ان سے زیادہ کسی میں ظاہر و باطن کی یکسانیت نہیں دیکھی''۔ [1]

تالیفِ قلب، عدل و انصاف، اور حقوق کی ادائیگی میں بے حد محتاط تھے، اور ہر وقت اس بات کا خیال رکھتے کہ کسی کا کوئی حق میرے ذمے باقی نہ رہ جائے۔ [2]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے

[1] (تاریخ طبری۔ ۱۸۸/۶)۔

[2] (منہاج السنۃ لابن تیمیہ۔ ۲۱۹/۳)۔

بعد میں نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ عدل وانصاف کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا"۔ ۱؎

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انہی اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہت سی دعائیں دیں۔ ایک موقعہ پر فرمایا:

"اے اللہ: اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما، اور حکومتی اقتدار بھی عطا فرما"۔ ۲؎

ایک موقعہ پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے اللہ! معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ہدایت دینے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا، اور لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنا"۔ ۳؎

مشہور مفسّرینِ قرآن مجاہد کا قول ہے۔ کہتے ہیں:

"اگر تم لوگ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تو یقیناً کہہ اُٹھتے کہ یہی مہدی ہیں"۔ ۴؎

ظاہر ہوا، کہ آپ خود ہدایت پر تھے، لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرتے تھے، جو لوگ بعض کمزور، بلکہ موضوع تاریخی روایات کا سہارا لے کر ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا انہوں نے ارتکاب نہیں کیا، انہیں خود اپنے لئے راہِ ہدایت تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا ہی میں جن حضرات کو اپنی رضا اور خوش نودی کا پروانہ عطا کر دیا۔ ان کو ہدفِ تنقید بنانا، اور خطا کار ثابت کرنا درحقیقت اپنے آپ کو اللہ کے اور اس کے رسول کے نزدیک معتوب بنانا ہے۔

۱؎ (البدایہ والنہایہ۔ ۱۳۳/۸)۔
۲؎ (البدایۃ والنہایہ۔ ۱۲۱/۸)۔
۳؎ (ترمذی کتاب المناقب)۔
۴؎ (العواصم۔ ص: ۲۰۵)۔

خلافتِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸ھ ہجری میں یزید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دمشق کا گورنر مقرر کیا۔ ۱۸ھ ہجری سے ۴۱ھ ہجری تک آپ دمشق اور اس کے ملحقات کے گورنر رہے۔ ۴۱ھ ہجری میں جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے تو آپ باقاعدہ پوری اسلامی مملکت کے سربراہ اور خلیفۃ المسلمین ہو گئے، اور آپ کی حیثیت محض ایک گورنر کی نہ رہی۔ اور تمام مسلمانوں نے آپ کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا۔ اور اسی طرح پوری امت آپ کی امارت و سیادت پر متفق ہو گئی۔ اسی بنا پر اس سال کو "عام الجماعۃ" یعنی اتحاد و اتفاق کا سال کہا گیا۔ [1]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد فتوحات کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا، آپ نے امارت و سیاست کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد دوبارہ اس کی ابتدا کی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں جہاد کا سلسلہ جاری رہا، جہاں اب تک کلمۂ توحید کی آواز نہیں سنی گئی تھی وہاں اللہ کا کلمہ گونجا، بے شمار اموالِ غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوئے، اور آپ کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے عزت و راحت، اور عدل و انصاف کے ساتھ زندگی گزاری"۔ [2]

ہر سمت ترقی و خوش حالی کا دور دورہ ہوا، اسلامی ریاست کی حدود میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ بحری بیڑہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں تیار کر لیا تھا۔ اپنے دور میں اسے مزید ترقی دی۔ اور اس میں اضافہ کیا۔

---

[1] (البدایۃ والنہایۃ۔ ۸/۲۱)۔

[2] (البدایۃ والنہایۃ۔ ۸/۱۱۹)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا، اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی، صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو، اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لئے دعائیں کرو، اور وہ تمہارے لئے دعائیں کریں، اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو، اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنتیں بھیجو، اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں"۔[1]

آپ نے ہر صوبہ کی سالانہ آمد کو اسی صوبہ کی ترقی پر خرچ کرنے کی ہدایات دیں، سوائے ایک مختصر سی رقم کے جو ہر سال مرکز کو بھیجی جاتی تھی۔ ہر صوبے کی زکوٰۃ بھی مقامی بیت المال میں جمع ہوتی، اور پھر وہیں صرف ہوتی، اس سے یہ ہوا کہ ہر صوبے میں ترقی اور خوش حالی کا دَور دورہ ہوگیا، اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بیت المال کے لئے روپیہ دینے لگے۔ لیکن اس معاملہ میں آپ نے زیادہ تر فاروقی اصول کو اپنایا۔

رفاہِ عام کے کام

آپ نے لوگوں کی بہتری کے بہت سے کام کئے، لیکن اس معاملہ میں بھی وہ زیادہ فاروقی اور عثمانی اصول پر عمل کرتے رہے۔ رعایا کے بچوں کی پرورش کے لئے وظائف سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقرر فرمائے تھے۔

[1] (منہاج السنہ۔ ۱۸۹/۳)۔

[2] (فتوح البلدان۔ ص: ۴۶۴)۔

خلافتِ عثمانی میں بھی اسی طرح عمل ہوتا رہا، مگر وقتاً فوقتاً اس میں کچھ تبدیلیاں ہوتی رہیں۔[2] علاوہ ازیں آپ نے متعدد سرکاری کارکن مقرر فرمائے جو روزانہ قریہ بقریہ اور شہر بہ شہر پھر کر اس بات کا پتہ چلاتے کہ کس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ سرکاری ملازمین نہ صرف بچوں کی پیدائش ہی کا پتہ چلاتے بلکہ یہاں تک خبر رکھتے کہ کس کے ہاں کون مہمان آیا ہے، اور ان سے حالات سے حکومت کو روزانہ باخبر رکھتے۔[1]

مساجد کی تعمیر

آپ نے اپنے عہد خلافت میں بہت سی نئی مساجد تعمیر کرائیں، اور بہت سی پرانی مساجد کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ چنانچہ زیاد بن ابی سفیان نے بصرہ کی جامع مسجد کو جو کہ بہت پرانی بھی تھی اور چھوٹی بھی، از سرِ نو اینٹ اور چونے سے نہایت وسیع اور خوب صورت شکل میں بنوایا اور اس کی چھت ساکھو کی بنوائی۔ عبد الرحمٰن بن سمرہ نے بصرہ میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کرائی۔ مصر کی مساجد میں میناروں کا بالکل رواج نہ تھا۔ سیدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مساجد کے مینار تعمیر کروائے۔ قبرص میں جس کو خلافت عثمانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے فتح کیا تھا، بہت سی مساجد تعمیر کرائی گئیں۔ سیدنا عقبۃ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیروان کی آبادی میں ایک بہت بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی۔ مصر میں مسجدوں کے میناروں کا رواج بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ عراق کی بصرہ مسجد میں بھی زیاد بن ابی سفیان نے سب سے پہلے پتھر کے مینار بنوائے۔[2]

---

[1] (البدایۃ والنہایۃ ۸/ ۱۳۴)۔

[2] (فتوح البلدان۔ ص: ۵۵، ۱۶۰، ۲۰۴، ۳۵۶، اصابہ۔ ۴/ ۲۱۹)۔

غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ

مسلمان تو مسلمان آپ نے غیر مسلموں کے حقوق کی بھی پوری پوری حفاظت فرمائی، ان کے ساتھ کئے گئے، معاہدات کا پورا پورا احترام کیا، اور ان کے جان و مال کی اچھے طریقے سے حفاظت فرمائی۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس ایک مسجد بنائی گئی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ میں مسجد کو وسیع کرنے کے خیال سے گرجا کو بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن عیسائی گرجا کی زمین دینے پر راضی نہ ہوئے۔ لہٰذا آپ نے مسجد کی وسعت کے ارادہ کو ترک فرما دیا، اور زبردستی گرجا کو مسجد میں شامل نہ کیا۔ تاکہ ان کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ [۱]

زراعت اور اس کے وسائل کی ترقی

آپ نے زراعت اور اس کے وسائل کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ آپ نے زراعت کی ترقی کے لئے نہریں کھدوائیں جن سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی۔ جس سے ملک کی زراعت میں بہت ترقی ہوئی۔ چنانچہ مدینہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ، نہر ارزق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ زیاد بن ابی سفیان نے نہر معقل کو جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں سیدنا معقل نے کھدوائی تھی، دوبارہ کھدوا کر صاف کروایا۔ بخارا کے کوہستان سے عبید اللہ بن زیاد نے ایک نہر کھدوائی۔ نہروں کی کھدائی کے علاوہ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر بڑے تالاب بنوائے جن میں موسم برسات میں پانی جمع ہوتا، اور ضرورت کے وقت آب پاشی اور دیگر کاموں میں لایا جاتا۔ [۲]

---

[۱] (فتوح البلدان ص:۳۳۱)۔

[۲] (طبری۔ ۷/۱۶۹، فتوح البلدان ص:۳۶۶)۔

نقل وحمل کا انتظام

آپ کے زمانہ میں نقل وحمل کا بھی خاطر خواہ انتظام تھا، اور خصوصی طور پر ڈاک کے لئے ''البرید'' کے نام سے ایک مستقل محکمہ بنایا گیا، کیوں کہ اس سے قبل ڈاک اور خبر رسانی کے لئے کوئی باقاعدہ محکمہ نہیں تھا۔[1]

اس کا نظام یہ تھا کہ بارہ بارہ میل کے فاصلے پر چوکیاں قائم کی گئیں۔ جہاں تیز رفتار گھوڑے ہر وقت موجود رہے تھے۔ علامت کے طور پر ان گھوڑوں کی دموں کو تھوڑا سا کاٹ دیا گیا تھا، تاکہ گھوڑے کو دیکھ کر لوگ سمجھ لیں کہ ڈاک جارہی ہے۔ گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں بندھی ہوتی تھیں تاکہ چوکی پر پہنچنے سے قبل ہی چوکی کے ہرکارے کو پتہ چل جائے کہ ڈاک آرہی ہے، اس طرح سے سرکاری ہرکارے منزل بمنزل ڈاک اور خبروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لاتے اور لے جاتے۔[2]

رعایا سے حسنِ سلوک

بیت المال کا منہ رعایا اور اس کے آرام وآسائش کے لئے کھول دیا گیا تھا، اور ہر حاجت مند وہاں سے اپنی حاجت کے مطابق لے سکتا تھا۔ خصوصی طور پر اہل بیت نبوت پر تو ہر وقت داد و دہش ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ دس دس لاکھ درہم سالانہ سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن جعفر

---

[1] (النظم الاسلامیہ ص:۲۵۴)۔

[2] (شرح ابن ابی الحدید ۲/۸۲۳)۔

طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیا جاتا تھا۔[1] اس کے علاوہ ان بزرگوں کو عطیات اور ہدیوں کی شکل میں بھی کچھ دیا جاتا تھا۔[2] بلکہ ایک مرتبہ تو سیدنا حسن کو چالیس لاکھ درہم دیئے، اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ بیت المال کے سابق مصارف کو اسی طرح قائم رکھا۔ اکابر صحابہ کو جو وظائف جاری تھے ان کو بھی برابر جاری رکھا بلکہ ان میں اضافہ کیا۔

عسکری نظام

آپ نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفاہی امور کی طرف توجہ دی بلکہ ایک بہترین عسکری نظام بھی قائم فرما کر ملک کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط ترین بنا دیا۔ جیسا کہ کتاب کے شروع میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ سپہ سالاری کا عہدہ کئی پشت سے بنی امیہ میں چلا آرہا تھا۔ خود آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری عمر فوج کے سپہ سالار رہے، اور آپ نے بھی کئی مواقع پر فوج کی سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے، اس وجہ سے آپ کے زمانہ میں فوج کے شعبہ میں خاصی ترقی ہوئی۔

بری فوج کا انتظام سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانہ سے بڑا مستحکم تھا، لیکن آپ نے پھر بھی اس میں بہت اضافے کیے۔ فوجیوں کی تنخواہیں دگنی کردی گئیں، اور ان کی ادائیگی میں خاص تاریخ کا تعین کردیا گیا۔ فوج دو حصوں میں تقسیم تھی۔ تنخواہ دار فوج اور رضا کار۔[3] لیکن آپ نے رضا کار فوج کو بھی باقاعدہ تنخواہ دار فوج میں منتقل کیا۔

---

[1] (البدایۃ والنہایۃ ۔ ۸/۱۳۷، ۱۵۰، ۱۵۱)۔

[2] (الفخری ص: ۹۷)۔

[3] (الاسلام والحضارۃ العربیۃ ۲/۱۵۸)۔

موسموں اور ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے فوج کے دو حصے کر دیئے گئے تا کہ فوجی مہموں میں کوئی مزاحمت پیش نہ آئے۔

❶ شتائیہ	(سرمائی فوج)
❷ صائفہ	(گرمائی فوج)

علاوہ ازیں ایک ریزرو (RESERVE) فوج کی تشکیل کی گئی۔ اس فوج کے سپہ سالار سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی مشیر تھے۔ ریزرو فوج کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

❶	(زمینی فوج)
❷	(سمندری فوج)

اسلامی بحریہ

بحری فوج کی اگر چہ خلافت عثمانی میں آپ ہی نے تشکیل کی تھی، لیکن اپنے دور خلافت میں اس میں بہت اضافہ کیا۔ سید عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور ہی میں پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا گیا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں مسلمانوں کا بحری بیڑا اس قدر طاقت ور ہو چکا تھا، کہ بازنطینی بیڑا بھی جو کہ دنیا کا سب سے بڑا بیڑا سمجھا جاتا تھا، اس کے سامنے بالکل گرد تھا۔ چنانچہ روڈس اور ارواڈ وغیرہ جزائر کی مہمات پر اسلامی بحریہ ۱۷۰۰ جنگی جہازوں پر مشتمل تھی۔ ؎[1]

[1] (الاسلام والحضارۃ العربیۃ۔ ۱۵۸/۲)۔

مسلمانوں نے بحریہ کا مرکز بحر روم کو ٹھہرایا۔ بحری فوج میں شامی، افریقی اور اندلسی مسلمان شریک ہوئے۔ اسلامی بحری کشتیاں بازنطینی کشتیوں سے بڑی ہوا کرتیں لیکن رفتار میں ان سے کم تھیں۔ ہر جنگی جہاز کا ایک قائد ہوتا تھا جسے "مقدم" کہا جاتا تھا۔[1]

جہاز سازی کے کارخانے

اسلامی بحریہ کی مزید ترقی کے پیش نظر ملک کے ساحلی علاقوں میں متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے گئے۔ پہلا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا۔ علامہ بلاذری رقم طراز ہیں کہ:

"پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا۔ بعد ازاں اُردن میں ملکا کے مقام پر ایک عظیم الشان کارخانہ قائم ہوا۔ ملک کے تمام کاریگر اور بڑھی جمع کر کے ان کو تمام ساحلی مقامات پر بسایا گیا تاکہ ان کارخانوں کے لئے لیبر کی کوئی دقت نہ رہے"۔[2]

قلعوں کی تعمیر

دفاع کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لئے بہت سے قلعے تعمیر کرائے۔ شام کے علاقہ کو جس پر بازنطینی حکومت کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ قلعوں سے مضبوط کیا گیا۔ چنانچہ وہاں کئی نئے قلعے تعمیر کئے گئے، اور کئی پرانے اور ویران قلعوں کو از سر نو آباد کیا گیا۔ رومیوں کے پرانے قلعے "جبلہ" کو جو فتح شام کے وقت ٹوٹ گیا تھا، دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ روڈس میں ایک قلعہ بنوایا گیا جو قریباً سات سال تک فوجی مرکز

[1] (النظم الاسلامیہ ص ۲۴۹، ۲۵۴)۔

[2] (فتوح البلدان ص: ۱۲۴)۔

رہا۔ مدینہ طیبہ میں "قصرِ خل" کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کروایا گیا۔ نیز انطرطوس، مرقیہ اور بلنیارس میں کئی نئے قلعے تعمیر کئے گئے۔ [۱]

کمانڈر انچیف کا عہدہ

بحریہ میں اس سے قبل امیر البحر کا عہدہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ خلافت عثمانی میں بحری اور بری دونوں افواج کا سپہ سالار ایک ہی فرد ہوتا تھا۔ لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی بحریہ کی ترقی کے پیش نظر بحریہ کے لئے امیر البحر کا الگ عہدہ قائم کیا۔ سب سے پہلے امیر البحر سیدنا عبداللہ بن قیس الحارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر ہوئے، آپ نے کم و بیش پچاس بحری لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ اور خوبی یہ ہے کہ ان میں ایک مسلمان بھی شہید نہیں ہوا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن قیس الحارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سیدنا جنادہ بن ابی امیہ کو امیر البحر مقرر کیا گیا۔ یہ خلافت عثمانی سے دور یزید تک برابر بحری لڑائیوں میں مصروف و مشغول رہے۔

بحیثیت گورنر اور بحیثیت امیر مملکت آپ کم و بیش تینتالیس (۴۳) سال برسر اقتدار رہے۔ یہ ایک طویل مدتِ اقتدار ہے۔ لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کا دور، فتوحات کے اعتبار سے بھی، اور علوم و فنون کی ترقی کے نقطۂ نظر سے بھی تاریخِ اسلام میں مثالی دور شمار کیا جاتا ہے۔

غیر مسلم ناقدین نے بھی آپ کو بہترین منتظم اور زبردست مدبر تسلیم کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے نکتہ شناس، اور

---

[۱] (فتوح البلدان۔ ص: ۱۴۰، ۱۶۰، ۲۴۴)۔

حق پرست لوگوں نے آپ کے بارے میں یہ بات کہی کہ: ہم نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر امورِ مملکت کو انجام دینے والا کوئی شخص نہیں دیکھا"۔[۱]

آپ کا دورِ حکومت انتہائی امن وامان، اور خوش حالی کا دور رہا۔

(اضافہ ختم ہوا)۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ جس طرح انبیاء کرام مراتب اور درجات میں متفاوت ہیں۔

کما قال تعالیٰ:

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ"۔[۲]

(یہ رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے، بعض ان میں سے وہ ہیں جو اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اور بعضوں کو ان میں بڑے درجوں پر سرفراز کیا)۔

جن میں حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں جن کے متعلق ارشاد قرآنی یہ ہے:

"وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ؕ"۔

(اور مچھلی والے کی طرح مت ہو جانا)۔

مگر ان کی شان میں حرف تنقیص زبان سے نکالنا جرم عظیم ہے، سب پر بلا تفریق ایمان لانا فرض ہے۔ کما قال تعالیٰ: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ.

---

[۱] (طبری۔ ۵/۳۳۷، ابن اثیر۔ ۳/۲۶۳، اسد الغابہ۔ ۴/۳۸۶)۔

[۲] القرآن ۲ (البقرہ) ۲۵۳۔

اسی طرح حضراتِ صحابہ بھی مدارج اور مراتب بھی متفاوت ہیں مگر تعظیم و توقیر سب کی فرض ہے اور تنقیص کسی کی جائز نہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر رسول اللہ ﷺ کے داماد اور چچا زاد بھائی ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی سفیان کے بھائی ہیں اور تمام مسلمانوں کے ماموں اس لئے کہ ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے، اور جس طرح چچا کی تعظیم واحترام باپ کی تعظیم واحترام کا تتمہ ہے، اسی طرح ماموں کی تعظیم و احترام ماں کی تعظیم اور احترام کا تتمہ ہے۔ اس لئے عقلاً وشرعاً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت بھی لازم وضروری ہوگی کیوں کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ کے ذوی القربیٰ میں داخل ہیں۔

شرفِ صحبت[1]

اہل سنت اور روافض کا اصولی اور بنیادی اختلاف یہ ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک صحبت رسول اللہ ﷺ کی کوئی اہمیت نہیں۔ روافض تو جمہور صحابہ کو معاذ اللہ مؤمن ہی نہیں سمجھتے۔ صرف تین چار حضرات حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وجہ سے مؤمن سمجھتے ہیں کہ وہ اُن کے اعتقاد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پارٹی کے ایک فرد تھے، اور اہل سنت کے نزدیک صحبت نبوی کی فضیلت تمام دوسرے فضائل اور کمالات سے اعلیٰ اور بالا ہے، اس لئے کہ اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ جو بلاشبہ تابعین میں افضل ترین ہیں مگر کسی

[1] مکتوبات امام ربانی۔ ۱/۱۷۵۔

ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکے۔ صحبت نبوی کی برکت اور معائنہ نزول وحی اور مشاہدہ معجزات کی وجہ سے صحابہ کا ایمان شہودی ہوگیا تھا، اور یہ چیزیں جو تمام فضائل و کمالات اصل اور بنیاد ہیں وہ صحابہ کے سوا دوسروں کو بھلا کہاں نصیب ہوئیں۔ بعد والوں نے ان چیزوں کو دیکھا نہیں صرف سُنا ہے: اویس قرنی اور عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کو کتنے ہی صاحب فضل و کمالات ہوں مگر باوجود اس فضل و کمالات کے اویس قرنی اور عمر بن عبد العزیز کا صواب حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خطا اور بھول و چوک کو نہیں پہنچ سکتا:

ع　　　　این خطا از صد صواب اولیٰ ترست

اس لئے کہ ان دونوں بزرگوں کو جو شرف صحبت اور دیدار حضرت رسالت اور مشاہدۂ معجزات نبوت حاصل ہُوا وہ اویس قرنی اور عمر بن عبد العزیز کو حاصل نہیں ہوا، اور صحبتِ نبوی کی فضیلت وہ فضیلت ہے جس کے سامنے تمام فضائل و کمالات گرد ہیں۔ کوئی فضیلت بارگاہِ نبوی کی حاضری و قدم بوسی کو نہیں پہنچ سکتی اور حق جل شانہٗ نے اسی فضیلت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ سے صحابۂ کرام کو نوازا۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○ ؎

سکندر　رانمی　بخشند　آبے　بزور　زر　میسّر　نیست　ایں　کار

قرآن اور حدیث صحابۂ کرام کی مدح اور توصیف سے بھرا پڑا ہے، جس کے نقل کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہ سے راضی ہے مگر روافض ان سے نہیں اور صرف یہی نہیں کہ راضی نہ ہوں بلکہ صحابہ سے بغض و عداوت اور ان سے تبرا اور بیزاری اور اُن کی شان میں سب و شتم اور ان پر لعن و طعن کو اعلیٰ ترین

عبادت سمجھتے ہیں، اور صحابہ پر لعن وطعن کو ذکرِ خداوندی سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہود اصحاب موسیٰ کو افضل ترین خلائق سمجھتے ہیں، اور نصاریٰ حواریین عیسیٰ کو بزرگ ترین امت سمجھتے ہیں مگر روافض اصحاب رسول اللہ ﷺ کو بدترین خلائق سمجھتے ہیں۔

اب ہم اہل تشیع کے تفہیم کے لئے بغرض اصلاح چند سوالات اور محالات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اہلِ تشیع پر اپنے بنیادی نقطۂ نظر کا بطلان واضح ہو جائے۔ فاقول وباللّٰہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔[1]

---

[1] دیکھو احسن الکلام مصنفہ حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری ص: ۸۰۔

سوالات اور محالات

یہ امر تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ابتداء میں اسلام کو جو عروج و ترقی حاصل ہوئی، وہ عالم اسباب میں صحابۂ کرام اور خصوصاً خلفاء کرام کی کوششوں کا نتیجہ تھا، اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ در پردہ کافر اور منافق اور دشمنِ دین اور دشمنانِ اہل بیت تھے، اہل تشیع کی مثال ایسی ہے کہ کسی شہنشاہ نے ایک فوج مرتب کی، اور اس کو دشمنوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اُس فوج ظفر موج اور افسران فوج نے دشمن کے دارالسلطنت پر حملہ کیا، اور بادشاہ کو گرفتار کیا، اور اس کی فوج کو تہ تیغ کیا، اور اس بادشاہ کے خزانے کو لاکر اپنے بادشاہ کے سامنے رکھا، اور ہر جگہ اپنے بادشاہ کا جھنڈا نصب کردیا، اور ہر جگہ اسی کا قانون اور اسی کا سکہ جاری کردیا۔

اب ایک شخص اٹھتا ہے، اور بادشاہ کے وزراء فوج اور افسران فوج کو گالیاں دیتا ہے، اور ان سے تبرا کو فرض، لازم اور افضل عبادت سمجھتا ہے، اور ان پر لعنت بھیجنے کو ذریعۂ خوشنودی سلطان سمجھتا ہے، اور دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ یہ تمام فوج میرے اعتقاد میں دلی طور پر بادشاہ کی دشمن اور خاندان شاہی کے خون کی پیاسی ہے، اور فوج اور افسران فوج جو کچھ بھی بادشاہ کی محبت اور اطاعت کا دم بھرتے ہیں وہ سب دروغ بے فروغ ہے، اور فوج کا یہ تمام کارنامہ نفاق اور تقیہ پر مبنی ہے، اور فوج کی تمام فتوحات خودغرضی پر مبنی ہیں، تو کیا یہ شخص اس عذر بے جا کی بناء پر عتاب شاہی سے بچ سکتا ہے؟۔ ہاں اگر بادشاہ کے نزدیک اس قول فضول و فعل نا معقول کی وجہ سے یہ شخص مجنون اور فاتر العقل قرار پائے تو ممکن ہے کہ عتاب سلطانی سے تو بچ جائے مگر پھر بھی اس سے چارہ نہیں کہ بجائے جیل خانہ کے پاگل خانہ میں پہنچا دیا جائے۔

اسی طرح سمجھو کہ صحابۂ کرام نے کافروں سے جہاد کیا، اور بڑے بڑے سلاطین باتمکین کو نیچا دکھایا، اور ہر جگہ اسلام کا جھنڈا بلند کیا، اور کفر و شرک کو ذلیل اور خوار کیا، اور ہزار ہا مسجدیں بنواڈالیں، اور اپنی تمام قلمرو میں قرآن و حدیث کی تعلیم کو پھیلا دیا، اور احکام شرعیہ پر نہ عمل کرنے والوں پر حدود شرعیہ اور تعزیرات قائم کیں، اور ایسا بے مثال عدل و انصاف جاری کیا کہ اپنے اور بیگانہ میں بال برابر فرق نہ رکھا۔ حتیٰ کہ اگر اپنے بیٹے سے بھی کوئی کام خلاف شرع سرزد ہُوا تو اس کو بھی وہی سزا دی جو دینی چاہئے تھی۔ پھر اس پر کمال یہ کہ جس حالت میں عرب و عجم پر اُن کا سکہ بیٹھ چکا تھا، اور دنیا کی کوئی طاقت اور بادشاہت اُن کی ہمسری نہیں کرسکتی تھی اُس وقت اُن کی زندگی فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اور کچے مکانوں میں رہتے تھے، اور ہر کس و ناکس کے لئے فریاد کا دروازہ کُھلا ہُوا تھا۔ اس حالت کے بعد بھی صحابۂ کرام کو معاذ اللہ کافر اور منافق اور دشمنِ دین اور دشمنِ اہل بیت سمجھنا سراسر بداہت عقل کے خلاف ہے، اور ادنیٰ عقل والا بھی اس کے قبول کے لئے تیار نہیں ہوسکتا اس لئے کہ:

وجہِ اوّل

وجہ یہ ہے کہ جو شخص مدعی اسلام ہو، اور تمام احکام اسلام کو بجالاتا ہو، اور جان و مال کو اسلام پر قربان کرنے سے دریغ نہ کرتا ہو اس کو منافق اور دلی دشمن کہنا سراسر بے عقلی اور دیوانگی ہے۔ کفر اور اسلام کا دارومدار ظاہری اقوال اور افعال پر ہے۔ دل کا حال تو سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا۔ بندہ تو ظاہر کو دیکھتا ہے جب ظاہر میں سوائے جانثاری اور وفاداری کے کچھ نہ ہو تو پھر آخر کس دلیل سے

نفاق کی تہمت لگائی جائے؟۔

صحابۂ کرام کی جان نثاری دُنیا پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے، اس پر بھی اگر کوئی صحابۂ کرام کو منافق، بد باطن اور دلی دشمن بتاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ قیس کو لیلیٰ کا سچا عاشق نہ سمجھے اور یہ دعویٰ کرے کہ مجنوں کا دعوائے محبت سب نفاق اور تقیہ پر مبنی تھا۔ بالفرض اگر کوئی خبیث خارجی حضرات اہل بیت کے متعلق یہ کہے کہ حضرات اہل بیت اگرچہ ظاہر میں پابند شرع تھے مگر دل سے کافر اور منافق تھے تو حضرات شیعہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت کا ایمان کس طرح ثابت کریں گے؟ جس طرح رافضی صحابۂ کرام کے کفر و نفاق کے مدعی ہیں اسی طرح خارجی حضرات اہل بیت کے اظہار کفر و نفاق کے مدعی ہیں۔

وجہِ دوم

اگر بقول شیعہ جبراً وقہراً تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لی جائے کہ صحابہ کے اقوال و افعال اگرچہ ظاہراً شریعت کے موافق اور مطابق تھے مگر باطن میں سوائے دو چار شخصوں کے معاذ اللہ سب کافر اور منافق تھے تو اب سوال یہ ہے کہ سارا قرآن صحابۂ کرام کی تعریفوں سے بھرا پڑا ہے، اور حق تعالیٰ نے جا بجا اپنے کلام پاک میں اُن کے کمال ایمان اور اعمال صالح کا اظہار اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے سو یہ امر دو حال سے خالی نہیں یا تو معاذ اللہ خداوند علام الغیوب کے صحابہ کے قلبی احوال اور کیفیات کا علم نہ تھا۔ یا معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے صحابہ کے ڈر کے مارے ناحق ان کی تعریفیں کیں، اور جنت میں داخل کرنے کا مصلحتاً جھوٹا وعدہ فرمایا، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں امر شان خداوندی کے بالکل منافی اور محال ہیں۔

وجہِ سوم

یہ اگر صحابۂ کرام معاذ اللہ سے کافر اور منافق تھے تو نبی اکرم ﷺ پر یہ امر فرض تھا کہ آپ ان منافقین سے جہاد کرتے، اور ان پر تشدد کرتے۔

کما قال تعالیٰ:

"یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ". [1]

(اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے، اور ان پر سختی کیجئے)۔

بلکہ اس کے برعکس آپ نے اتحاد اور اخلاص کا معاملہ فرمایا، اور ان کو اپنا وزیر اور مشیر بنایا، اور ان کی بیٹیوں سے نکاح فرمایا، اور ساری عمر معاذ اللہ انہی کافروں اور منافقوں کی امامت کرتے رہے، اور حسب ارشاد باری تعالیٰ:

"اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ".

معاذ اللہ ان کافروں اور منافقوں کو مسجد نبوی میں آنے سے منع نہ فرمایا، اور یہی کافر اور منافق آپ کی مسجد میں اذان اقامت کہتے رہے اور حسب ارشاد باری تعالیٰ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ آپ منافقوں کو ان کے لب ولہجہ سے اور اُن کی صورت ہی سے پہچان لیتے تھے۔ پس کیا ساری عمر آنحضرت ﷺ کو ان کے نفاق کا علم نہ ہُوا، اور جب حضور پُر نور ﷺ کو اُن کے نفاق کا علم نہ ہُوا تو حضرات شیعہ کو کہاں سے اُن کے نفاق کا علم ہوگیا؟۔

[1] القرآن: ۹ (التوبہ) ۷۳۔

وجہِ چہارم

یہ کہ قرآن کریم نے جابجا اس امر کی خبر دی ہے کہ آپ کی فیضِ صحبت نے صحابۂ کرام کو مزکّی اور مصفّی بنادیا۔ کما قال تعالیٰ:

"هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ". [1]

(وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں، اُنہی کی قوم میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کو پاک صاف کرتا ہے)۔

پس اگر صحابۂ کرام معاذ اللہ کافر اور منافق ہوں تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے جو تزکیۂ نبوی کی خبر دی ہے وہ سب غلط ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت اور آپ کی فیض صحبت سے سوائے دو ۲ چار ۴ آدمیوں کے کسی کی اصلاح نہیں ہوئی بلکہ جتنے افراد آپ پر ایمان و اسلام لائے وہ پہلے سے زیادہ خراب اور بد باطن ہو گئے۔

وجہِ پنجم

اور رسول اللہ ﷺ نے خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ کے متعلق جو بشارتیں دی ہیں وہ سب غلط ہیں؟

اور اگر صحابۂ کرام معاذ اللہ کافر اور منافق تھے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اپنے عہد حکومت میں اسلام اور قرآن و حدیث کے مٹانے کی کوشش کیوں نہ

[1] القرآن: ۶۲ (الجمعہ) ۲۔

کی بلکہ الٹا معاملہ یہ کیا کہ حتی الوسع اسلام کو بڑھایا اور کفر کو مٹایا۔ بادشاہ کو رعایا کا ڈر اس وقت ہوتا ہے کہ جب بادشاہ اور رعایا کا مذہب اور مسلک مختلف اور جُدا ہو۔ پس جب حکومت صحابہ ہی کی تھی اور دل سے مسلمان نہ تھے تو انہیں اسلام کے مٹانے میں ڈر کس کا تھا؟

وجہِ ششم

یہ ہے اگر صحابۂ کرام معاذ اللہ منافق اور در حقیقت دُشمنِ اہل بیت ہوتے تو صفحۂ ہستی پر اہل بیت اطہار کا نام ونشان ہی باقی نہ چھوڑتے جو گروہ قیصر و کسریٰ کا تختہ اُلٹ سکتا ہے تو وہ دو چار اہل بیت کو بدرجۂ اولیٰ ختم کرسکتا ہے۔ دُور کیوں جاتے ہو یزید نے ایک معمولی بات پر کہ اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کے جُرم میں اہل بیت کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ صحابۂ کرام یزید سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر قدرت رکھتے تھے۔

وجہِ ہفتم

یہ ہے کہ جناب امیر شیعوں کے نزدیک امام معصوم صاحب عصاء ہیں، اور جن کی سیف ذوالفقار اور تلوار آب دار نے ہزار ہا جنات کو ایک آن میں قتل کر ڈالا تھا۔ انہوں نے اس سے منافقوں اور دشمنان اہل بیت کو موت کے گھاٹ کیوں نہ اتار دیا، اور کم از کم خلوت اور جلوت میں کبھی بھی موقعہ پا کر معاذ اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر قلم کیوں نہ کردیا بلکہ ساری عمر ان کے مطیع اور فرماں برداری اور وزیر و مشیر بنے رہے۔ حتیٰ کہ اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دی، اور پھر جب حضرت امیر کا

اپنا دورِ خلافت آیا تو اُس وقت بھی تمام زمانۂ خلافت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منقبت اور برسرِ منبر اُس کے افضلیت کا اعلان کرتے رہے۔

وجہِ ہشتم

جس طرح رافضی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کفر و نفاق ثابت کرتے ہیں، اسی طرح خارجی اہل بیت اطہار کا کفر و نفاق ثابت کرتے ہیں۔ یہ سُن کر ایک ایک مخالف اسلام صاف طور پر یہ کہہ سکتا ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک فرقہ اپنے پیغمبر کے اصحاب کو کافر و منافق بناتا ہے، اور دُوسرا فرقہ اہل بیت کرام کو ایسا سمجھتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے پیغمبر پر کوئی شخص بھی دل سے ایمان نہیں لایا نہ اپنوں میں سے اور نہ بیگانوں میں سے۔

وجہِ نہم

معاذ اللہ اگر صحابہ کرام کے متعلق روافض کا مذہب صحیح مان لیا جائے تو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوگی اور نہ کتاب و سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ثابت ہوگی اور نہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کوئی عبادت ہی ثابت ہوگی۔ اس لئے کہ ہم نے نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی معجزہ کا مشاہدہ کیا۔ پس روافض بتلائیں کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ کے معجزات کا کون گواہ ہے؟ سو اگر روافض صحابۂ کرام کی شہادت کو قبول کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ نے گواہی دی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق تھے، اور آپ پر قرآن نازل ہُوا، اور ہم نے اپنی آنکھوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے معجزات کا مشاہدہ کیا تو سبحان اللہ چشمِ ما روشن دل ما شاد کہ حضرات شیعہ نے صحابۂ کرام کی شہادت قبول کی، اور اگر حضراتِ شیعہ صحابہ کہ شہادت کو بوجہ کفر و نفاق رد کریں تو چارو ناچار اہل بیت کی شہادت پیش کریں گے تو اگر یہ مقدمہ کسی عدالت میں پیش ہو تو فاضل جج کہہ سکتا ہے کہ اہل خانہ کی شہادت معتبر نہیں۔ پس حضرات شیعہ بتلائیں کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا چشم دید گواہ سوائے صحابہ کے کس کو لائیں گے؟ بلکہ اگر فاضل جج یہ پوچھ بیٹھے کہ اس امر کا کون گواہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور پُر نور ﷺ کے اہل بیت ہیں تو یہ امر بھی ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس اللہ سرہ السیف السلول میں لکھتے ہیں:

''بر تقدیر صحت مذہب روافض نہ نبوت ثابت می شود، نہ ماجاء بہ النبی ﷺ بلکہ از تمامی متواترات وثوق برمی خیزد و انکار متواترات و سغسطہ بہم میرسد چرا کہ ما پیغمبر ﷺ مانہ دیدہ ایم و نہ ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم را و نہ معجزۂ پیغمبر را و نہ جبریل را و نہ قرآن بحضور ما نازل شدہ و بجز متواتر در یافتیم۔ پس اگر ایں خبر متواتر کہ از صحابہ بما رسیدہ معتبر نہ باشد۔ پس از کجا ثابت شود کہ محمد نامی در دُنیا موجود شدہ و معجزات ظاہر کردہ۔ الخ و امامت فرع نبوت است پس چوں نبوت بجز متواتر صحابہ ثابت نہ شدہ۔ پس امامت چگونہ ثابت شود۔ انتہیٰ''۔

وجہِ دہم

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت بغیر صحابہ کی شہادت کے ثابت نہیں ہو سکتی تو خوب سمجھ لو کہ بغیر صحابہ کی شہادت قبول کئے امامت بھی ثابت نہیں

ہوسکتی اس لئے کہ امامت نبوت کی فرع ہے جب نبوت ہی ثابت نہ ہوئی تو امامت اور خلافت کہاں سے ثابت ہو سکے گی۔

امامت

امامت کے معنی پیشوائی کے ہیں خواہ باعتبار دین کے ہو یا باعتبار دنیا کے اس لئے امام کا اطلاق تین معنی پر آتا ہے:

1. جو فقط دین میں پیشوا ہو۔ جیسے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام غزالی اور امام رازی رحمہم اللہ تعالیٰ اور آیت: وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا اور آیت: وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا میں دین کی پیشوائی مراد ہے۔
2. جو فقط ظاہری اور دنیاوی امور میں پیشوا ہو اس لحاظ سے امامت بمعنی بادشاہت اور سیاست اور امام بمعنی بادشاہ اور رئیس مستعمل ہوتا ہے۔
3. اور کبھی دینی اور دنیوی، ظاہری اور باطنی امور میں پیشوائی پر امامت کا اطلاق آتا ہے، اور یہی خلافت راشدہ ہے جو پانچ شخصوں میں منحصر ہے، خلفاء اربعہ اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسی وجہ سے خلافت میں ہر جگہ فی الارض کی قید لگائی گئی ہے:

"لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ".[1]

(ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا)۔

"هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْاَرْضِ".[2]

(اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہیں زمین میں صاحبِ اختیار بنایا)۔

---

[1] القرآن: ۲۴ (النور)، ۵۵۔

[2] القرآن: ۶ (الانعام)، ۱۶۵۔

"اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً". [1]

(میں زمین میں اپنا ایک نائب بنا رہا ہوں)۔

خلافتِ راشدہ کی مُدّت

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الخلافة بعدی ثلاثون عاما".

(خلافت نبوت میرے بعد تیس ۳۰ سال رہے گی)۔

چنانچہ آپ کے وصال کے بعد بلافصل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے، اور دو سال اور چار ماہ خلافت کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے، دس سال چھ ماہ خلافت کی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے، بارہ سال سے چند روز کم خلافت کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے۔ چار سال اور نو ماہ خلافت کی، اور پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے، پانچ ماہ خلافت کی۔ اس حساب سے خلفاء اربعہ کی مُدت خلافت انتیس ۲۹ سال اور چھ ۶ مہینہ ہوئی۔ اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پانچ ماہ خلافت سے تیس سال پُورے ہوگئے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ صلح ۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں وقوع پذیر ہوئی جس سے خلافت راشدہ کی مدت تیس ۳۰ سال پُوری ہوگئی، اور اس کے بعد امارت اور حکومت یعنی سلطنت اور بادشاہت شروع ہوئی۔ اس لئے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس صلح کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے پہلے بادشاہ ہیں، خلیفہ نہیں۔ اور اہل سُنت کا اس پر اتفاق

---

[1] القرآن: ۲ (البقرہ)، ۳۰۔

ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت امیر برحق یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد امارت وخلافت سے لے کر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپردگی اور صلح تک حق پر نہ تھے، اس لئے کہ امام حق کی اطاعت نہیں کرتے تھے، اور یہ اُن کی خطا اجتہادی تھی جو شرعاً معاف ہے۔ البتہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امامت سپرد کرنے کے بعد بادشاہ ہو گئے۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں صلح فرمائی؟

❶ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ صلح فوج کی قلت اور کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں کی۔ امام کے ساتھ بے شمار فوج تھی اور جانبازی کے لئے مستعد تھی اور یک دل ویک جان امام کی نصرت اور حمایت کے لئے کوشاں تھی، اور اس قدر کثیر تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور صلح کا پیغام بھیجا۔ پیغام صلح کی ابتداء حضرت معاویہ کی جانب سے ہوئی اور صلح کی درخواست کی۔ ابتداء کمزور کی طرف سے ہوتی ہے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خیال فرمایا کہ اگرچہ میرے پاس قوت اور فوجی طاقت بے شمار ہے لیکن فیصلہ بدون جنگ کے نہ ہوگا اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لئے صلح کے پیغام کو قبول کیا، اور حق خلافت سے دست بردار ہوئے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ [1]

جیسا کہ خود حضرت امام کے اس خطبہ سے ظاہر ہے:

"لما ابرم الصلح بينه وبين معاوية. ان معاوية قد نازعني حقالي دونه فنظرت الصلاح للامة وقطع

---

[1] استیعاب۔ ۲۹۸/۳۔

الفتنة وقد كنتم بايعتموني على ان تصالحوني من صالحني وتحاربوا من حاربني ورأيت ان حقن دماء المسلمين خير من سفكها ولم ارد بذلك الاصلاحكم"۔ [1]

(یعنی جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں صلح مکمل ہوگئی تو امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مُجھ سے میرا حق خلافت چھیننا چاہا جو میرا حق تھا نہ کہ ان کا لیکن امت کو فتنہ اور فساد سے بچانے کے لئے مصلحت اس میں دیکھی کہ صُلح کر لی جائے، اور تم مُجھ سے اس امر پر بیعت کئے ہوئے کہ جس سے میں صُلح کروں اس سے تمہاری بھی صُلح ہے۔ اور جس سے میں جنگ کروں اس سے تم بھی جنگ کرو۔ اس وقت میں نے یہی مناسب جانا کہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت اس کے گرانے سے بہتر ہے، اور اس صُلح سے سوائے تمہاری بھلائی کے میرا کوئی مقصد نہیں)۔

اس خطبہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ملک اور ریاست کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کرنا عاجزی اور درماندگی کی وجہ سے نہ تھا۔

دوم یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں بادشاہت اور ریاست کی اہلیت رکھتے تھے۔ کافر اور مرتد نہ تھے۔ اس لئے کہ کفار اور مرتدین سے فتنہ کے خوف سے صُلح کرنا جائز نہیں بلکہ اُن سے جہاد وقتال واجب ہے۔ کما قال تعالیٰ:

---

[1] تحفۂ اثنا عشریہ۔

"وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ". [1]

(اور تم ان کافروں سے اس حد تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین سارا کا سارا اللہ ہی کا ہو جائے)۔

نیز مسند بزار میں باسناد مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان اول دينكم بدأ نبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة ثم يكون ملكا وجبرية". [2]

(یعنی تمہارے دین کی ابتداء نبوت اور رحمت سے ہوئی۔ پھر اس کے بعد خلافت اور رحمت ہوگی، اور پھر اس کے بعد بادشاہت اور جبری حکومت ہوگی)۔

لہٰذا عجب نہیں کہ امام حسن نے یہ خیال فرمایا ہو کہ نبوت اور رحمت اور پھر خلافت اور رحمت کا زمانہ تو گزر چکا ہے، اور بادشاہت اور جبری حکومت کا دَور آنے والا ہے۔ جس میں طرح طرح کے فتنے نمودار ہوں گے، اس لئے ریاست اور حکومت سے دست برداری اختیار فرمائی تا کہ خود بھی امارت اور بادشاہت کے فتنہ سے محفوظ رہیں، اور مسلمان باہمی کشت وخون سے، اور نیز یہ بھی ممکن ہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اس پر ہو کہ جنگ سے کوئی معتد بہ فائدہ نہ ہوگا اس لئے صلح کو اختیار فرمایا خونریزی سے محفوظ رہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ عین موقعہ و میدان میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ارشاد نبوی یاد آیا ہو۔ ان ابنی يدا سيد

[1] القرآن: ۸ (الانفال) ۳۹۔

[2] (الحدیث)۔

سیصلح اللّٰہ بہ بین فئتین من المسلمین. انسان کو ایک چیز معلوم ہوتی ہے مگر اس کو بھول جاتا ہے، اور عین موقعہ پر اس کو یاد آ جاتی ہے۔

باغی پر لعنت جائز نہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس صلح سے پیشتر اگرچہ بظاہر باغی تھے مگر خطائے اجتہادی کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قصداً کسی گناہِ کبیرہ کے مرتکب تھے، اور اہل سنت کے نزدیک کسی گناہ کبیرہ کرنے والے پر بھی لعنت جائز نہیں۔

لقولہ تعالیٰ:

"واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات". [1]

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی (ظاہری) خطاؤں پر معافی مانگتے رہیئے، اور مؤمنین اور مؤمنات کے لئے بھی)۔

وقال تعالیٰ:

"وَالَّذِیْنَ جَآؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ". [2]

(اور ان لوگوں کا بھی اس مال فیٔ میں حق ہے جو ان کے بعد آئے، اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار، ہم کو بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے، اور ہمارے دلوں میں ایمان

[1] القرآن: ۴۷ (محمد)، ۱۹۔

[2] القرآن: ۵۹ (الحشر)، ۱۰۔

والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دے۔ اے ہمارے رب! آپ بڑے مہربان اور رحیم ہیں)۔

پس استغفار کا حکم لعنت کے منافی ہے، اور باغی اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب باتفاق اہل سنت وشیعہ، ایمان سے خارج نہیں ہوجاتا۔ لقوله تعالیٰ:

"وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا". [۱]

باقی یہ آیت:

"اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ [۲] **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ".**

(اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر۔ اللہ کی لعنت ہو جھوٹوں پر)۔

سو اس آیت سے مقصود اس صفت پر لعنت کرنا ہے۔ موصوف اور صاحب صفت پر لعنت مقصود نہیں۔ نیز یہ لعنت اجمالی طور پر آئی ہے کسی ظالم اور کاذب کا نام لے کر لعنت نہیں آئی۔ زندگی میں نام لے کر کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے دے، اور مرنے کے بعد نام لے کر لعنت جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب عکرمۃ بن ابی جہل مشرف باسلام ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"لا تسبوا اباه فان سبّ الميت يوذى الحى".

(عکرمہ کے باپ ابوجہل کو بُرا نہ کہنا، مُردوں کو بُرا کہنے سے زندوں کو

---

۱ القرآن: ۴۹ (حجرات)، ۹۔

۲ القرآن: ۱۱ (ہود)، ۱۸۔

بھی تکلیف پہنچتی ہے)۔

اور اگر بالفرض صاحبِ صفت ہی پر لعنت مراد ہو تو اگر اس صفت سے لعنت کا جواز معلوم ہوگا تو صفت ایمان کی وجہ سے لعنت کی ممانعت معلوم ہوگی۔ کیونکہ اہلِ ایمان کے لئے دعائے مغفرت واجب ہے، اور جب مباح اور حرام جمع ہو جائیں تو غلبہ حرام کو ہوتا ہے۔

اقوالِ اہلِ بیت

کتب امامیہ سے یہ بات بطریق تواتر ثابت ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شام کو لعنت سے منع فرمایا اور یہ فرمایا:

"ھم اخواننا قد بغوا علینا".

(یہ ہمارے بھائی ہیں (یعنی کافر نہیں) ہم سے بغاوت کی ہے)۔[1]

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یزید سے مقابلہ

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خروج خلافت راشدہ کے دعوے کی بناء پر نہ تھا اس لئے کہ خلافت راشدہ کی مدت تیس سال گزر چکی تھی بلکہ مسلمانوں کو ظالموں کی حکومت سے چھڑانا تھا کہ مسلمانوں پر ظالم اور فاسق و فاجر کی حکومت قائم نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ یزید کی حکومت بھی پوری طرح قائم نہ ہوئی تھی۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے ابھی یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی، اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللہ بن عمر

[1] دیکھو فتاویٰ عزیزی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیعت نہ کی۔ اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ بادشاہ وقت سے بغاوت اور اس کی اطاعت سے خروج جائز نہیں اگر چہ وہ بادشاہ ظالم ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بادشاہ کا بلا نزاع اور بلا مزاحمت کامل تسلّط ہو جائے تو وہ اگر چہ ظالم ہی ہو اُس کی اطاعت سے خروج اور بغاوت جائز نہیں ہے، اور جس کا ابھی تک تسلط ہی نہ ہوا ہو۔ اور ہنوز اس کی حکومت ہی قائم نہ ہوئی ہو تو اس کا مقابلہ خروج اور بغاوت نہ کہلائے گا۔

دفع تسلط اور رفع تسلّط میں بڑا فرق ہے۔ قائم شدہ تسلّط کا رفع یعنی اس کا ازالہ خروج اور بغاوت ہے۔ اور کسی ظالم کے تسلّط کو قائم نہ ہونے دینا اس کا نام منعِ تسلّط ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خروج یزید کے دفع اور منع تسلّط کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلّط کے لئے۔[1]

یزید پر لعنت[2] کا حکم

یزید کے بارہ میں تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ اس کو محبوب رکھتا ہے، حتیٰ کہ اس کو خلفاء راشدین کے زمرہ میں سے سمجھتا ہے، اور ایک گروہ اُس پر لعنت کو جائز سمجھتا ہے۔ محققین اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ یزید اور حجاج بن یوسف جیسے ظالم پر لعنت درست نہیں۔ کیوں کہ دلیل سے یزید کا کفر ثابت نہیں، اور ظالموں اور فاسقوں پر نام لے کر زندگی میں بھی لعنت کرنا ممنوع ہے، اور مرنے کے بعد بھی کسی کا نام لے کر لعنت کرنا ممنوع ہے، الا یہ کہ جس کا کفر فرعون، ہامان اور ابولہب کی طرح

[1] فتاویٰ عزیزی۔ ۳۱/۱۔

[2] دیکھو اتحاف۔ الاقتصاد و نبراس للغزالی، شرح شفاء للقاری ص۵۵۸، اعلام بقواطع الاسلام المطبوع علی حاشیۃ الزواجر ص۱۵۲۔

واضح ، اور معلوم ہو۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ فرعون اور ہامان بلکہ شیطان پر بھی لعنت کرنا واجب نہیں ۔ بہت سے بہت جائز کے درجہ میں ہے۔ لیکن اگر بجائے اس کے کہ شیطان پر لعنت بھیجے اتنا ہی وقت اگر اللہ کے ذکر میں صرف کرے تو وہ بہتر ہے، اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھنے والوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے، اور جو لوگ اہل قبلہ ہیں اُن پر لعنت منع ہے۔ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

”وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ“۔[1]

(اور انہیں گالی مت دو، جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہیں، پھر وہ ازروئے جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے)۔

اہل سُنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم ہر اس شخص سے بری اور بیزار ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ کے اہل بیت کا اور آپ ﷺ کے صحابہ کا دشمن ہو بلکہ جو شخص کسی ادنیٰ مُسلمان کا محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کا دشمن ہو ہم اس سے بھی بری اور بیزار ہیں مگر اپنی زبان کو کافروں، ظالموں اور فاسقوں پر لعنت کرنے سے محفوظ رکھتے ہیں، خاص کر وہ لوگ جو اس دُنیا سے گزر گئے وہ اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ گئے۔[2]

---

[1] القرآن:٦ (الانعام)،١٠٨۔

[2] قال الحافظ شرف الدين قاسم بن قطلوبغا الحنفي في شرحه على بدء الامالي بعده نقل الاقوال فيه واما نحن فبرئيون من اعداء الله ورسوله واهل بيته وممن عادىٰ فردا من افراد عوام المسلمين لكونه مسلما او لكونه بنسب الى النبي ﷺ ولو بادنى نسبة اه والله الموفق كذافي الاتحاف شرح الاحياء للعلامة الذبيدى ج٧ ص٤٨٠ في بيان الأفة الثانية من افات اللسان وهي اللعن۔

اہل سنت جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل ابولؤلو اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین پر لعنت درست نہیں سمجھتے۔ جس طرح ہم اہل سنت حضراتِ صحابۂ کرام کے غلام ہیں۔ اسی طرح ہم حضرات اہل بیت کے بھی غلام ہیں، اور جس طرح ہم صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دشمنوں سے بری اور بیزار ہیں، اسی طرح اہل بیت کے دشمنوں سے بھی بری اور بیزار ہیں۔ مگر اپنی زبانوں کو ظالموں کے لعن وطعن اور سب وشتم سے محفوظ رکھتے ہیں، اور اسی کو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء علوم الدین میں اختیار فرمایا۔ حضرات اہل علم احیاء علوم الدین باب آفات اللسان کی مراجعت کریں۔ نیز منہاج السنۃ مصنفہ حافظ ابن تیمیہ (۲/۲۵۵) نیز مراجعت کریں، اور حافظ شمس الدین ذہبی کی کتاب المنتقی (جو منہاج السنۃ) کی تلخیص ہے، ص ۲۸۹ تا ص ۲۹۲ مراجعت کریں، اور شرح عقائد نسفی ص ۵۵۵ کو دیکھیں اور مرقاۃ شرح مشکوۃ للعلامۃ القاری ص ۳۶ ج ۲ کو دیکھیں اور الاقتصاد فی الاعتقاد للامام الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

"و آخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہ رب العالمین و صلی اللّٰہ
تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمد و علٰی اٰلہٖ
و اھل بیتہٖ و اصحابہ و ازواجہٖ و ذریاتہٖ اجمعین و علینا
معھم یا ارحم الراحمین ٥ ربنا اغفرلنا و لا خواننا
الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلا للذین
اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم اٰمین. یارب العالمین و یا
اکرم الاکرمین و یا ارحم الراحمین یا اجود
الاجودین، اللّٰھم یارب بجاہ نبیک المصطفٰی
و رسولک المرتضٰی طھر قلوبنا من کل وصف یباعدنا
عن مشاھدتک و محبتک و امتنا علٰی السنۃ و الجماعۃ
و الشوق الٰی لقاک یا ذاالجلال و الاکرام و صلی اللّٰہ
تعالٰی عَلٰی سیدنا و مولانا محمد و علٰی اٰلہٖ و صحبہٖ
و سلم تسلیماط و الحمد للّٰہ رب العالمین٥

سوانح

حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

تالیف

محمد حسین صدیقی
اُستاد حدیث جامعہ بنوریہ

زمزم پبلشرز

جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن

جس میں اسلام کے عقائد کو دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے اور جدید و قدیم فلاسفہ اور ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

مؤلف

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

نوّر اللہ مرقدہٗ

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی

فون ۲۷۲۵۶۷۳

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (القرآن)

"اللہ کے رستے کی طرف حکمت اور خوبصورت وعظ کے ذریعے دعوت دیجیے۔" (قرآن حکیم)

مواعظ جمعہ

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

(۱۸۹۹ — ۱۹۷۴ء)

نزد مقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی

لعمرك إنهم لفي سكرتهم يعمهون ○ ورفعنا لك ذكرك ○
لقد جاءكم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين
رءوف رحيم ○ (القرآن)

سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابلِ قدر اور عظیم تالیف
اُمت کے اکابر مؤرخین اور اربابِ سِیَر کے علوم کا جوہر۔

سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جلد سوم

از افاضات

حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ

ناشر
زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی